سلسلہ مطبوعات نمبر

K.P.T. Secondary School,
West Wharf,
Karachi.

تکلیف و اذیت

از

رئیس احمد جعفری

ناشر
کتاب منزل۔ کشمیری بازار لاہور

(جملہ حقوق محفوظ)

طبع اول ۱۹۵۱ء

قیمت فی جلد قیمت [redacted]

شیخ نیاز احمد پرنٹر پبلشر نے دوآبہ پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر
کشمیری بازار سے شائع کیا

فہرست

	صفحہ
(۱) ابتدائیہ	۱۱
(۲) ملاحظات	۱۶
(۳) درد کی چبھن	۱۹
قدیم آثار	۱۹
عجائب خانہ	۲۱
ایک اور تصویر	۲۲
مشاہیر کی مثالیں	۲۳
عام مصیبت	۲۴
انسان کی بے بسی	۲۵
(۴) دکھ کا مداوا !	۲۷
سرچری کا آغاز	۲۷
قرون وسطیٰ کا دور	۲۹
اذیت کا پہاڑ	۲۹
عذاب دوزخ	۳۰
(۵) شعبدہ، ایمان اور علم !	۳۱
دور سحر و شعبدہ بازی	۳۱
شیطانی زمانہ	۳۲
نادان انسان	۳۳
ایک اور ہتھیار	۳۴
عورت کا مرتبہ	۳۵
ساحر کی وضع قطع	۳۶
ایمان کا دور	۳۷
ہندو عقیدہ	۳۸
مسیحی عقیدہ	۳۹
اللہ کا بیٹا	۴۰
زندہ اور مردہ	۴۰
نئی تجارت	۴۲
عقل اور منطق	۴۲
رواقی عقیدہ	۴۳
علم اور کیمیا کا دور	۴۴
تجربہ اور عقل کی طرف گریز	۴۵
کوکبی دھات	۴۶

ضمنی انکشافات ۴۷
بماسلس کے تجربے ۴۷
طبیعت کی رفتار ۴۸
کبریت شیریں ۴۹
(۶) آخری ساحر ! ۵۱
مسمریزم ۵۱
سنگ مقناطیس ۵۲
قوت شفابخشی ۵۳
مسمر کا عقیدہ ۵۴
مسمر کا فروغ ۵۴
مقناطیسی قوت ۵۶
بڑی مشکل ۵۷
پیرس کے جلسے ۵۷
ہمراز بنانے پر اصرار ۵۹
مسمر کی برہمی ۶۰
مسمر کی ناکامی ۶۲
(۷) مسمر کا راز ! ۶۳
انقلاب فرانس ۶۳
مسلسل تجربات ۶۵
تنویم کی ابتدا ۶۶
لوگوں کا اعراض ۶۸
حکومت کی بدنیتی ۶۹
مسلسل حملے ۶۹
(۸) بیماری سے جنگ ! ۷۱
دلچسپ قصہ ۷۱
نئی رہبری ۷۲
نئی انجیل ۷۴
ترک اقامت ۷۶
مبارک دور ۷۷
بیماری سے جنگ ۷۸
آخری کڑی ۷۹
(۹) خندہ آور گیس ۸۱
قابل ذکر واقعہ ۸۲
موت نہ آئی ۸۳
باموقع اشعار ۸۳
پہلا تجربہ ۸۵
بے موقع منفعی ۸۶
ہوش کے عالم میں ۸۷

خواب ۸۸
قدر افزائی ۸۹
مسرت انگیز کیفیت ۹۰
بجلی پر تحقیقات ۹۱
(۱۰) فریڈے اور ایتھر! ۹۲
جلد ساز عالم ۹۲
رائل سوسائٹی ۹۳
نیا منکر ۹۴
ہنی مون کے بعد ۹۵
روحانی صدمہ ۹۷
ایتھر کا امتیاز ۹۸
پرندوں پر تجربہ ۹۹
(۱۱) اسٹورنر اور افیون! ۱۰۰
افیون کا اثر ۱۰۰
ناکامیاں ۱۰۱
افیون کا راز ۱۰۲
دواخانہ کا تہ خانہ ۱۰۴
نیا دواخانہ ۱۰۵
خراج تحسین ۱۰۶
تلخ صلہ ۱۰۷
عبرت ناک واقعہ ۱۰۸
(۱۲) فقرا کا طبیب! ۱۰۹
انسانیت کی خدمت ۱۰۹
نیا میدان ۱۱۱
ڈاکٹر کی فیس ۱۱۲
جلاد یا سرجن؟ ۱۱۳
نیا مشغلہ ۱۱۵
ہمت بلند ۱۱۶
تغافل اور بے پروائی ۱۱۷
جہالت اور بے بصیرتی ۱۱۸
قدیم و جدید کی کشمکش ۱۱۹
(۱۳) ایتھر کی کارفرمائیاں! ۱۲۰
دلچسپ تاریخ ۱۲۰
موازنہ و مقابلہ ۱۲۱
لیکن امریکہ؟ ۱۲۲
نیا امکان ۱۲۳
مظاہروں کی مقبولیت ۱۲۴
یہ الوٹ اجتماع ۱۲۵

گہری نیند	۱۲۶	(۱۵) انقلاب کی لہر!	۱۵۰
ایتھر کا شوق	۱۲۷	مورٹن کی تقریر	۱۵۱
مشاہدات اور تحقیقات	۱۲۸	کفر کا فتویٰ	۱۵۱
شیطانی دوا	۱۲۹	عجیب اتفاق	۱۵۲
جرأت رندانہ	۱۳۰	کلورو فارم	۱۵۴
سیر حاصل تقریر	۱۳۲	جاکسن کا معاملہ	۱۵۵
گہرا زخم	۱۳۳	اکاڈمی کا جلسہ	۱۵۶
مطب میں شرکت	۱۳۴	انسانیت کا محسن	۱۵۷
تجربے کا مظاہرہ	۱۳۵	سونے کا میڈل	۱۵۸
دو حریف	۱۳۶	پہلا عمل جراحی	۱۵۹
(۱۴) بوسٹن کا ڈینٹسٹ	۱۳۸	(۱۶) مدوجزر!	۱۶۱
سعی و کوشش	۱۳۸	ایک انقلاب	۱۶۱
شوق تجسس	۱۳۹	ایتھر کی جنگ	۱۶۲
نئے ساتھی	۱۴۱	فریب کاری	۱۶۳
مقالی تحذیر	۱۴۲	پھر وہی ریسرچ	۱۶۴
ایک اکتشاف	۱۴۳	ہولناک جنگ	۱۶۵
ڈاکٹر وارن	۱۴۶	جاکسن کی تقریر	۱۶۶
اطبا کا احتجاج	۱۴۷	شور تحسین	۱۶۸
مبارک و مسعود	۱۴۸	مذموم حرکات	۱۶۹

شرط صلح ۱۷۰
بستر علالت ۱۷۱
ضمیر کا فیصلہ ۱۷۲
(۱۷) قوم کا ضمیر! ۱۷۳
متعدی مرض ۱۷۴
قرقی کا حکم ۱۷۵
پیش کش ۱۷۶
جتنے منہ اتنی باتیں ۱۷۶
قومی ضمیر ۱۷۷
فساد کا سرچشمہ ۱۷۸
وحشی جانور ۱۷۹
بے نتیجہ ایثار ۱۸۰
(۱۸) دردانگیز کش مکش! ۱۸۲
دجل و فریب ۱۸۲
ڈاکٹر لانگ ۱۸۴
ایتھر اور الکحل ۱۸۵
حق و صداقت ۱۸۶
ہیم درجا ۱۸۷
قابل فخر ایجاد ۱۸۸
(۱۹) جہنم! ۱۸۹
سیب کا درخت ۱۸۹
خواب کی تعبیر ۱۹۰
ہنگامۂ مخالفت ۱۹۲
دوستوں کا مشورہ ۱۹۳
مصیبتوں کی کثرت ۱۹۴
(۲۰) کشمکش کا انجام! ۱۹۶
بہت اہم مسئلہ ۱۹۶
ظلم کا مقابلہ ۱۹۷
لنکن کے الفاظ ۱۹۸
تاریک زمانہ ۱۹۹
فوجوں کا مقابلہ ۲۰۱
لڑائی کا خاتمہ ۲۰۲
پیمانۂ صبر ۲۰۳
مورٹن کا مرثیہ ۲۰۴
اطمینان و سکون ۲۰۵
احتجاج پر احتجاج ۲۰۶
لوحِ مزار ۲۰۷
نقش کالحجر ۲۰۸

خودکشی ۲۰۹

(۲۱) دردِزہ ! ۲۱۱

نشتر پر فتح ۲۱۱

مصائب کا ذکر ۲۱۲

ساز کی خرید و فروخت ۲۱۴

ڈاکٹر سمسن ۲۱۵

مخدرات کی آزمائش ۲۱۶

عجیب سیال ۲۱۷

نرالی کیفیت ۲۱۸

کلوروفارم کا استعمال ۲۱۹

مقامِ غیرت ۲۲۰

نفسیاتی عمل ۲۲۱

طعنے اور الزامات ۲۲۱

(۲۲) ولادت بلا درد ! ۲۲۴

یقین کامل ۲۲۴

عزم کی پختگی ۲۲۵

طولانی راتیں ۲۲۶

حوّا اور آدم ۲۲۷

مناظرہ اور مقابلہ ۲۲۸

ڈاکٹروں سے خطاب ۲۲۹

پرانا واقعہ ۲۳۰

احسان کا اعتراف ۲۳۰

خوش نصیب ۲۳۱

سمسن کی کمزوری ۲۳۲

آخری ایام حیات ۲۳۳

سرگزشت حیات ۲۳۴

(۲۳) مادے سے روح کی طرف ! ۲۳۵

گشتی مقررین ۲۳۵

اسمتھ کا تاثر ۲۳۷

بنیادی سبب ۲۳۸

دائرۂ تحقیق ۲۳۹

مخدرات کے اثرات ۲۴۰

برقی طریقہ ۲۴۱

ایمان و اعتقاد ۲۴۲

وہی پرانا سلوک ۲۴۳

تنویم مقناطیسی ۲۴۴

(۲۴) رحمت اور عذاب ! ۲۴۵

دنیا کا استفادہ ۲۴۶
دلچسپ افسانہ ۲۴۷
موت پر قابو ۲۴۸
نظام حیدرآباد ۲۴۸
کلورو فارم کی خوبیاں ۲۴۹
عروج وزوال ۲۵۰
نئی ایجاد ۲۵۱
ایک خطرہ ۲۵۱
انسان کی دشمنی ۲۵۲
(۲۵) بڑی آفت ! ۲۵۴
درد کا تدارک ۲۵۴
جرائم اور جنون ۲۵۵
نشہ کی طلب ۲۵۵
بھنگ کا نشہ ۲۵۶
افیون کی قدامت ۲۵۷
افیون کی تعریف ۲۵۷
خطرناک عنصر ۲۵۹
عجیب لذت ۲۶۰
انجکشن کے سمی اثرات ۲۶۰
تحلیل نفسی ۲۶۱
افیون کے مقابلہ میں شکست ۲۶۲
(۲۶) کوکین ! ۲۶۳
ڈاکٹر نیومن ۲۶۳
فعلی اثرات ۲۶۴
طویل سفر ۲۶۵
فرائڈ اور کولر ۲۶۶
قدامت کیا ہے ۲۶۷
اعمال جراحی ۲۶۷
موجد کون ؟ ۲۶۸
مصنوعی نیند ۲۶۹
تخدیر کا کرشمہ ۲۶۹
وسیع استعمال ۲۷۰
کوکین اور افیون ۲۷۱
وسیع میدان ۲۷۲
جراح کا نشتر ۲۷۳
آپریشن کی پھرتی ۲۷۳
(۲۷) اوہام وحقائق ! ۲۷۴
درد کی حقیقت ۲۷۴

دین اور فلسفہ	۲۷۵
مثال ایوبی	۲۷۵
شہدا اور اولیا	۲۷۶
تکلیف کا مقصد	۲۷۶
استاد اور ادب آموز	۲۷۷
تکلیف سے رغبت	۲۷۸
رحم کا کام	۲۷۸
حیاتیاتی ترکیب	۲۷۹
مزید جدت	۲۸۰
عصبی مشین	۲۸۰
برداشت کی طاقت	۲۸۱
ایک سوال؟	۲۸۲
دین اور طب	۲۸۲
صحت کا محافظ	۲۸۳
تکلیف کا فائدہ	۲۸۴
ایک اور موضوع	۲۸۴
نپولین کا تشکر	۲۸۵
ایک ڈاکٹر کی کہانی	۲۸۶
خلاصۂ مباحث	۲۸۷
خدا کی نعمت	۲۸۷

ابتدائیہ!

پیش نظر کتاب ترجمہ ہے ایک عربی تصنیف کا، جس کا نام ہے، "کیف تغلب الانسان علی الالم؟" لفظی ترجمہ ہوا "انسان الم پر کیونکر غالب آسکتا ہے؟" لیکن میں نے اردو ترجمہ کا نام "تکلیف و اذیت" رکھا ہے، اردو زبان میں "الم" کا لفظ وہ جامعیت اور وسعت مفہوم نہیں رکھتا جو "تکلیف" یا "اذیت" میں پنہاں ہے، پھر یہ کہ یہ الفاظ اصطلاحی حیثیت بھی رکھتے ہیں،

کتاب کے مصنف کا نام ہے "ڈاکٹر نقولا فیاض" یہ ایک عیسائی اہل قلم ہے، صرف اہل قلم ہی نہیں، اہل علم بھی، اس لیے یہ کتاب بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ لکھی ہے، کام کی کوئی بات چھوٹنے نہیں پائی ہے اور کوئی غیر ضروری بات آنے نہیں پائی ہے۔ انسان کے عہد شعور سے لے کر اب تک کی طبی ترقیوں کی داستان بڑے دلچسپ پیرایہ میں اس نے بیان کی ہے،

ڈاکٹر فیاض نے بتایا ہے کہ ارتقار انسانی کے ابتدائی عہد سے لے کر اب تک درد کو کم کرنے، تکلیف کو معدوم کرنے، اور اذیت کا احساس باطل کرنے کے سلسلہ میں علم و فن اور ایجاد و سائنس نے کیا کیا کارنامے انجام دیے

ہیں؟ آج ہمارے پاس کلوروفارم بھی ہے، کوکین بھی، ایتھر بھی، خندہ آور گیس بھی، ہم درد کو محسوس کیے بغیر بڑے بڑے آپریشنوں کو جھیل لیتے ہیں۔ دانت اس طرح نکالے جاتے ہیں کہ محسوس بھی نہیں ہوتا، نشتر اس طرح لگایا جاتا ہے کہ اس کی نوک سے چبھن کی اذیت تک نہیں معلوم ہوتی، ہڈی نکال لی جاتی ہے، پنڈلی کاٹ لی جاتی ہے، ہاتھ قطع کر لیا جاتا ہے، دماغ کا آپریشن ہو جاتا ہے، جراح کی نوک نشتر حوالی قلب تک پہنچ جاتی ہے، اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ اب چیر پھاڑ کا کام اتنی ترقی کر گیا ہے کہ بڑے سے بڑا آپریشن ہو جاتا ہے، لیکن ہمیں اتنا احساس بھی نہیں ہوتا جتنا ناخن کے کٹنے کا ہوتا ہے!

لیکن ذرا اُس وقت کا تصور کیجیے جب یہ ایجادیں ہنوز پردۂ عدم میں روپوش تھیں، اور انسان کے دانت زنبور سے بغیر بے ہوش کیے ہوئے، بغیر سن کیے ہوئے نکالے جاتے تھے؛ جب حفظِ حیات کی خاطر، پھوڑے چاک کیے جاتے تھے، اعضا میں شگاف دیا جاتا تھا، پورے پورے ہاتھ اور پاؤں کاٹنا پڑتے تھے، انسان یا دوسرے الفاظ میں مریض یہ سب کچھ دیکھتا تھا، بُری طرح محسوس کرتا تھا، کبھی کبھی دہشت کے باعث نیم دیوانہ ہو جاتا تھا، یا حرکت قلب بند ہو جاتی تھی اور سہم کر مر جاتا تھا،

لیکن اب خدا کے فضل سے یہ کچھ نہیں ہوتا، مریض سگریٹ پیتا رہتا ہے اور اس کا اپریشن ہوتا رہتا ہے، وہ اخبار پڑھتا رہتا ہے، اس کا پیٹ چاک کیا جاتا ہے، آنتیں باہر نکالی جاتی ہیں، پھر رکھ دی جاتی ہیں،

ٹانکے لگائے جاتے ہیں اور وہ بدستور مسکراتا رہتا، اور اخبار کا مطالعہ جاری رکھتا ہے، کتنا بڑا حیرت انگیز اور ناقابل فہم انقلاب ہے یہ؟
لیکن ہے، ہم اسے جھٹلا نہیں سکتے، مشاہدات کو جھٹلانا چاہیں تو کیوں کر جھٹلائیں، ہم اپنی آنکھیں بند کر لے سکتے ہیں، لیکن دوسروں کی آنکھوں پر بھی پٹی چڑھا دیں، یہ ہمارے بس سے باہر بات ہے!
آج یہ بات بہت آسان ہے کہ کلوروفارم سونگھ کر یا کوکین کا انجکشن لیکر بڑے سے بڑے قطع و برید کے حادثہ سے دوچار ہو جائیں، لیکن کل یہ ناممکن تھا، قطعاً ناممکن! ہم جس سکون اور اطمینان سے آپریشن کے مرحلہ سے گزرتے ہیں۔ ہمارے اسلاف کو یہ سہولت نہیں حاصل تھی، انھیں ہر ہر مرحلہ پر جان کی بازی لگانی پڑتی تھی، تب جاکر کہیں وہ زندگی کو قائم رکھ پاتے تھے!
ان ایجادات اور اکتشافات کے نعمت ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جن لوگوں کے ذہن رسا نے اس نعمت کو ڈھونڈھا، پایا، اور وقف عام کر دیا، ان کی زندگی بھی تو ہمارے سامنے رہنی چاہیئے۔ ہمیں یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایجاد و اکتشاف کے راستے میں انھیں کیسے کیسے صبر آزما مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے، کیسی کیسی دشواریاں اٹھانی پڑی ہیں، کیسے کیسے مصائب سے مقابلہ کرنا پڑا ہے، تب جاکر رائی کا پہاڑ بنا ہے، تب کہیں پہاڑ کو رائی بنایا جاسکا ہے۔ اگر یہ داستانیں ہمیں نہ معلوم ہوں، تو اس سے ان موجدوں کا کچھ نہ بگڑے گا، خود ہمارا نقصان ہوگا، ہماری ترقی کا راستہ گم ہو جائے گا، ہم تنزل اور ادبار کے گڑھے میں جا گریں گے، لہٰذا اگر ہمیں زندہ رہنا ہے،

ایجاد و اکتشاف کی دنیا میں نام پیدا کرنا ہے، خلق خدا کی خدمت کرنی ہے تو جب تک ہم یہ داستانیں نہ پڑھ لیں اور پڑھ کر انہیں جذب نہ کر لیں، اس وقت تک ہمارا ذہن نئی راہیں نہیں تلاش کر سکتا، ہماری طبع رسا نئے راستے نہیں ایجاد کر سکتی، اور ہم انسانیت کے بڑھتے ہوئے آزار اور روگ کو دور نہیں کر سکتے، جب تک ہمیں نہ معلوم ہو ہم سے پہلوں پر کیا بیتی خود ہمارے اندر نہ حوصلہ پیدا ہو سکتا ہے، نہ امنگ، لہٰذا ان داستانوں کا پڑھنا خود اپنے مفاد کے لیے ضروری اور بڑا ضروری ہے!

مصر کی علمی اور ادبی عظمت اپنی جگہ مسلم ہے، وہاں سے ادب، سیاست، سائنس، تاریخ اور دیگر موضوعات پر جو بلند پایہ کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں، ان کی افادیت اور اہمیت ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، لیکن اس کے پہلو بہ پہلو اس کے ایک دور افتادہ ہم زبان خطے، بیروت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، وہاں کے عیسائی عرب بھی اپنی مادری زبان کو علمی جواہر پاروں سے مالا مال کرنے پر تلے ہوئے ہیں، وہاں سے جو کتابیں شائع ہوتی ہیں، وہ بھی اپنی افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے بلند پایہ مصنفات میں شمار ہوتی ہیں۔ پیش نظر کتاب بھی بیروت سے شائع ہوئی ہے، اور وہاں کے ایک مسیحی اہل قلم نقولا فیاض کی ذہنی اور دماغی کاوشوں کا قابل قدر مجموعہ ہے!

یہ کتاب تاریخ بھی ہے، نفسیات بھی، سائنس بھی، اس کا مطالعہ ہر علمی ذوق رکھنے والے کے لیے ضروری ہے!

ترجمہ کی مشکلات اور خاص طور پر فنی اور اصطلاحی ترجمہ کی مشکلات سے ارباب علم اور ارباب نظر واقف ہیں، اس مشکل سے عہدہ برا ہونے میں اپنی طرف سے میں نے حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے، پھر بھی انسان ہوں اور انسان خطا و نسیان کا پتلا ہے، ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کے حزم و احتیاط کے باوجود میں نے کہیں ٹھوکر کھائی ہو، مجھ سے کسی مقام پر غلطی سرزد ہوئی ہو۔ پڑھنے والوں کو جہاں میری کوئی کوتاہی یا غلطی محسوس ہو، وہ مجھے مطلع فرمائیں، انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں تلافی مافات کی پوری کوشش کروں گا! والامر بید اللہ تعالیٰ

رئیس احمد جعفری

کراچی

۷-اپریل ۱۹۵۱ء

ملاحظات

آپ پوچھ سکتے ہیں، درد و الم سے مراد کیا ہے؟ موضوع زیر بحث میں صرف مادّی درد و الم کی کیفیت مراد لی گئی ہے، جو زندگی کے مختلف ادوار اور مراحل میں آفات و مصائب کے راہ پانے سے انسان کو لاحق ہوتا ہے، اُس سے بحث نہیں کہ یہ الم انسان کے مظاہر پر اثر انداز ہوتا ہے، یا باطن پر؟ بہرحال یہ جب لاحق ہوتا ہے تو انسان ڈاکٹر یا جرّاح کی مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے، اور اکثر حالات میں یہ مدد کچھ زیادہ نتیجہ خیز اور مفید نہیں ثابت ہوتی۔

اس موضوع پر میں نے بہت سی کتابیں دیکھیں، اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ انسان نے رنج و الم پر فتح پانے کی جو طویل جد و جہد کی ہے، نیز اس کے افکار و خیالات نے امراض کی ہلاکت خیزیاں اور تباہ کاریاں کم کرنے کے سلسلہ میں جس حوصلہ اور جرأت کے ساتھ رسم عام اور رواج عام کی زنجیریں توڑنے کی سعی و کوشش کی ہے، اور سائنس کے عطا کیے ہوئے وسائل سے جس ذہانت اور قابلیت کے ساتھ استفادہ کیا ہے، وہ ایک بہت طویل لیکن دلچسپ اور سبق آموز داستان ہے، جس کا مطالعہ بہرنوع سبق آموز بھی ہے اور مفید و سود مند بھی!

میرے پیش نظر اس سلسلہ میں جو کتابیں رہیں، ان میں ملر کی ضخیم

کتاب اپنے نتائج افکار و تحقیق کے لحاظ سے خاص اہمیت کی حامل ہے اس کتاب میں مصنف نے امریکی زندگی سے متعلق اپنے معلومات و مشاہدات بڑے سلیقہ اور خوبی سے جمع کر دیے ہیں، اس کتاب میں مخترعین کی تاریخ پر بھی بسط و تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، مخترعین سے مراد وہ لوگ ہیں، جو موجدوں کی صف میں آتے ہیں، یعنی جنہوں نے اپنی ایجاد و اختراع سے دنیا کو کسی قسم کا فائدہ پہنچایا ہے۔ علاوہ ازیں فاضل مصنف نے اپنی تصنیف میں کتب خانوں کے ذخائر علمیہ، مخطوطات یعنی نادر قلمی کتابوں کے مواد مشہور اور نمایاں شخصیتوں کے اذکار (خواہ ان کا شمار موافق و مخالف کسی گروہ میں کیوں نہ ہو) مجلس آئین ساز و نمائندگان کے طبقہ زیریں و اعلیٰ کے ارکان کے تاثرات و خیالات، اخبارات و صحائف کے قابل قدر مقالات، فن کاروں کے خطبات، سرکاری دستاویز اور اسناد، محکمہ جاتی رپورٹیں اور قرارداد یں، ——————— غرض جملہ کار آمد چیزوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور زیر بحث موضوع کے سلسلہ میں کوئی چیز تشنہ اور نامکمل نہیں چھوڑی ہے۔ ہر چیز کا احاطہ کیا ہے، ہر چیز پر نظر رکھی ہے، ہر چیز کو جانچا اور پرکھا ہے۔ اسی افادیت اور اہمیت کے باعث اس کتاب کے مندرجات پر میں نے اعتماد کیا ہے۔ البتہ غیر ضروری اور غیر اہم طوالت اور شرح و تفصیل کو نظر انداز کر دیا ہے، قلمزد صرف وہی باتیں کی ہیں، جو موضوع سے ہٹی ہوئی تھیں، جن کے حذف کر دینے سے موضوع کی کمیت یا کیفیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

میں نے صرف ملر کے افکار و نتائجِ تحقیق پر اکتفا نہیں کیا ہے، اپنے علم اور مشاہدہ و تجربہ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، اور اپنے نتائجِ فکر بھی اضافہ کر دیئے ہیں!

آپ کو اس کتاب میں انسانی شجاعت و ایثار اور شفقت و مرحمت کے روح پرور مناظر دکھائی دیں گے، نیز تصویر کا دوسرا رُخ ——— ابنائے جنس کی شقاوت، حسد، طمع اور مکر و فریب ——— بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آئے گا، اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی آپ پر منکشف ہو جائے گی کہ انسان جب اغراض اور خواہشات کے ہجوم میں گھر جاتا ہے تو اسے اپنے رنج و الم کا مداوا کرنے کے لیے کیسی اور کس قسم کی صبر آزما جد و جہد کرنی پڑتی ہے؟ اور اس طوفان کی کڑیاں جھیلنے کے لیے اسے کیسی کیسی مشقتیں کرنا پڑتی ہیں؟ دورانِ مطالعہ میں آپ یہ حقیقت بھی محسوس کر لیں گے کہ انسانی کشتی کو طوفان کے منجدھار سے سلامتی اور عافیت کے ساحل تک پہنچانے کے لیے کیسے کیسے پاپڑ بیلے جاتے ہیں؟

باب (۱)

درد کی چبھن

دکھ درد کی کہانی بڑی پرانی ہے، حضرتِ انسان ہی اس مرض کے مریض نہیں ہیں، پیچھے مڑکر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ یہ مرض اتنا ہی پرانا ہے جتنی یہ دنیا دیوتا بھی اس آزار سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے، حالانکہ وہ دیوتا تھے، ——!

ایک نظر گزشتہ اساطیر و قصص پر ڈالیے تو معلوم ہوگا، سورج دیوتا "رع"[1] کو بڑھاپے کا درد ستاتا تھا، ایزیس دیوتا کو چھاتی کا ورم بیقرار رکھتا تھا، روشنی کا دیوتا "ہوریس"[2] آشوب چشم اور نیش عقرب کا شکوہ سنج تھا، اسی طرح شراب کا دیوتا "باخوس" جب تولد ہوا تو اس شان سے کہ جب ماں کا پیٹ چھری سے چاک کیا گیا، تب آپ نے نزول اجلال فرمایا، طب کے دیوتا اسکولاب کی پیدائش بھی، اسی طرح کے جتن کرنے پڑے تب جاکر ہوئی، غرض دیوتاؤں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو لذت الم کا شناسا نہ ہو، اور جسے اس کیفیت سے دوچار نہ ہونا پڑا ہو،

قدیم آثار!

غرض پرانی کہانیوں اور قصوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا میں دکھ

---

(۱) Ra (۲) Horus

اور درد کا وجود بہت قدیم ہے، جب سے انسان نے ہستی کا لباس پہنا ہے درد و الم بھی اس کے ساتھی ہیں۔ آدم کا پہلا گناہ جب رونما ہوا تو اس کے ساتھ دکھ اور درد کی تخلیق بھی ہوئی، اللہ نے حوا سے کہا "تو درد اور کرب کے ساتھ بچے جنے گی"۔ گویا یہیں سے رنج و الم نے ایک مستقل حیثیت اختیار کر لی، مصریوں کے نینوا، بابل اور شام (اشوا) کے فرماں رواؤں اور بادشاہوں کے جو آثار ہمارے پاس باقی ہیں، ان پر درد و الم کے نقوش نہایت صاف اور واضح طور پر نظر آتے ہیں، یہ ایسی ہمہ گیر چیز ہے جس کے مداوے کی فکر ساحر اور کاہن، تاجدار اور نادار، عالم اور جاہل، دانا اور نادان سب ہی کو رہی ہے۔ ساحر علاج کے جویا تھے، کاہن دفع مرض کے لیے جھاڑ پھونک اور ٹونے ٹوٹکے میں مصروف تھے۔ بادشاہ دیوتاؤں سے استمداد کرتے تھے اور ان رسوم کو سرگرمی کے ساتھ ادا کرتے تھے، جن کی بجا آوری سے یہ بوجھ سر سے ہٹ سکتا تھا، غرض ہر طبقہ اور ہر گروہ کے افراد اس مرض میں مبتلا اور دفع مرض کے لیے سرگرم سعی و عمل تھے،

کلدانیوں کی سرزمین سے پختہ مٹی کی ایک تختی ملی ہے جس پر مسماری زبان میں بابل کی ایک امیرہ کی دعا لکھی ہوئی ملی ہے، جو یہ ہے:

"درد نے اپنے دانت میرے جسم میں گاڑ دیے ہیں، اے خدا
تو مجھے اس کوفت سے نجات دے!"

جہاں تک ہمیں معلوم ہے، یہ پہلی درد بھری تحریر ہے جو کسی انسان نے لکھی ہے، اس کے بعد پے در پے مسلسل ایسی مزید تحریریں بکثرت دستیاب

ہوئی ہیں، مثلاً اشوریوں کے بادشاہ سردنبال کے کتب خانے سے بھی بعض اس قسم کی تختیاں دستیاب ہوئی ہیں، عہد فراعنہ کی ایک ہرن کی جھلی برآمد ہوئی ہے، جو اسی نوعیت کی ہے، زردشت کے مملوکہ بیل کی کھال بھی ملی ہے، اور ہندوؤں کے سنسکرت میں بھجن بھی ہاتھ آئے ہیں، ان سب پر دکھ درد کے نقوش ثبت ہیں، ان سب سے رنج والم کی کیفیات کا اظہار ہوتا ہے!

عجائب خانہ!

کھدائی کا کام کرنے والے بعض لوگوں کو اسکولاب کے مندروں میں پتھر کے سروں، سینوں، آنتوں اور مختلف اعضائے انسانی کا ایک حیرت انگیز عجائب خانہ دستیاب ہوا ہے، یہ سب چیزیں یا تو پتھر سے تراشی اور بنائی گئی ہیں، یا پھر ان کی تخلیق اور تعمیر میں برونز سے مشابہ ایک دھات استعمال کی گئی ہے، مذکورہ تصاویر اور نقوش اس کیفیت کے مظہر ہیں کہ دکھ اور درد نے ان کی ہیئت اور صورت میں تبدیلی کر دی ہے!

قدیم مناور کی دیواروں، اشوریوں اور مصریوں کے مقبروں، پرانے بتوں نیز پاپیئی کے کھنڈروں پر آرٹ اور فن کے ہاتھوں نے ایسی آنکھوں کے دکھ درد کی غیر فانی تصویریں ثبت کر دی ہیں، جن کی روشنی زائل ہو چکی تھی، ایسے ہونٹوں اور لبوں کے نقوش بھی ملے ہیں جو فریاد کے لیے گویا حرکت کرتے نظر آ رہے تھے!

اساطیر اور روایات کہن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص تھا جس کا نام

"بولی فم" تھا، یہ ان چرواہوں میں سے تھا جو بہت موٹے تازے اور بونے مشہور تھے، یہ سب یک چشم تھے، اور اسی بنا پر اپنے دوسرے ابنائے جنس سے مختلف تھے، "بولی فم" نے "عولس" کو گرفتار کر کے کوہ اٹنا پر اپنے غار میں محبوس کر دیا تھا، عولس نے اس کی آنکھ پھوڑ کر اپنا بدلہ لے لیا، پھر ایک گھوڑی کے ایال سے لٹک کر بھاگ نکلا، اور اس طرح اپنی غیر متعین گرفتاری سے نجات پائی، اور بولی فم کو اندھا کر کے اسے لازوال درد میں مبتلا کر گیا۔

عہد عتیق کے فنکاروں نے اس اندھے چرواہے بولی فم کی ایک ایسی تصویر ہمارے لیے چھوڑی ہے، جسے اگر دکھ درد کی منہ بولتی تصویر کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا،

ایک اور تصویر!

اسی طرح "فولکتات" کی ایک تصویر بھی برآمد ہوئی ہے، یہ ہیلانہ کا ایک طالب علم تھا، جو کسی سبب سے طراودہ میں زخمی ہو گیا تھا، اس کا زخم اتنا بگڑ گیا تھا کہ یونانی اس کی بدبو برداشت نہیں کر سکتے تھے، جب اس کی بدبو بالکل ناقابل برداشت ہو گئی تو اس کے یونانی ساتھی اسے کمنوس میں یکہ و تنہا چھوڑ گئے، "فولکتات" کی تصویر غم بڑی اچھوتی ہے اور غم و الم کی کیفیت کا اظہار اس تمثال سے بہت عمدہ مکمل طور پر ہوتا ہے، اسی طرح ایک اور تصویر بھی ہے یہ "اورنیس" کی تصویر ہے۔ جیسے ایک جنگلی سور چھپے بیٹھا ہے۔ یہ تصویر بھی دکھ کی بڑی اثر انگیز مورت ہے۔ ایک اور تصویر پر تھبا

کی ملکہ "لینوبہ" کی ہے، جس کا جسم تیروں سے چھدا ہوا ہے، وہ پتھر پر گری پڑی ہے، اسی طرح ایک اور تصویر "لاوکون" کی ہے، یہ ابولون کا کاہن تھا اس سے ایک سانپ لپٹا ہوا دکھایا گیا ہے، یہ ساری تصویریں آرٹ کے کمال کا نہایت عجیب و غریب مرقع ہیں، ان کے چہرے بشرے سے وہ تمام کیفیتیں بڑی خوبی اور کمال کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں، جن کی تصویر کشی کی کوشش کی گئی ہے،

مشاہیر کی مثالیں:

غرض ہر زمانہ میں دکھ اور درد، بیماری اور آزار کا اور آدمی کا وہی تعلق رہا ہے، جو چولی دامن کا ہوتا ہے، پاپاؤں اور مذہبی پیشواؤں کی کہانیاں، بہادروں اور ہیرووں کی داستانیں، پہلوانوں اور زورآوروں کے افسانے اسی ذکر سے معمور ہیں، مشاہیر عالم کے حالات کی جستجو کیجیے، ان کے کارناموں پر تحقیق کی نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے راستے میں ہر ہر قدم پہ دکھ اور مصیبت کے روڑے ملتے ہیں۔ ان کا راستہ ہر چہار طرف سے صعوبتوں اور دشواریوں سے بھرپور تھا، کولمبس، لوتھر، روس، لوئیس چہاردہم، نپولین، رابنسن، ڈارون اور دوسرے اعاظم و اکابر رجال سب کے سب اسی ذیل میں آتے ہیں، ان سب کی زندگی کا بڑا حصہ دکھ جھیلتے، مصیبتیں سہتے اور صعوبتیں برداشت کرتے گزرا ہے، لوئی چہاردہم، شہنشاہ فرانس ناسور کے مرض میں مبتلا تھا، اس مرض نے لوئیس کا اتنا ساتھ دیا کہ گویا اس کا

رفیق زندگی بن گیا، اس کے زمانہ کے مؤرخوں نے اس کے عہد حکومت کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے، پہلا دور ناسور سے پہلے کا، اور دوسرا دور ناسور کے بعد کا، مولیسیر اپنے ایک ڈرامے میں ایک وہمی مریض کا پارٹ ادا کر رہا تھا کہ اس کی آنتوں میں شدید درد شروع ہوا، اس نے اپنی تکلیف کی ذرا پروانہ کی اور اپنا پارٹ خوبی کے ساتھ انجام دیتا رہا، کام ختم کرنے کے بعد وہ اپنے گھر پہنچایا گیا اور وہاں اس حالت میں پہنچا کہ دم اکھڑ رہا تھا اور چند سانسیں لینے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو گیا،

عربی زبان کا مایہ ناز افشا پرداز جاحظ داہنی جانب کے فالج میں مبتلا تھا، کئی برس تک اسی روگ میں مبتلا رہا، اور بالآخر اسی مرض نے اس کی جان لی، اس کا یہ عالم تھا کہ اگر قینچی سے بھی اس کے داہنی طرف کا گوشت کاٹ ڈالا جاتا تو اسے احساس تک نہ ہوتا، اور جسم کے بائیں حصہ میں فقرس نے اتنی ذکی الحسی پیدا کر دی تھی کہ اگر مکھی بھی بیٹھ جاتی تو اس کی جان پر بن جاتی!

جرمنی کا مشہور فلسفی اور مایہ ناز مفکر نٹشے کہا کرتا تھا "ہر سال میرے دو سو دن درد والم اور دکھ درد کے لیے وقف رہتے ہیں!"

عام مصیبت!

گزشتہ سطور میں مشاہیر اور اکابر کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دکھ درد صرف بڑوں ہی تک محدود ہے، اس لذت سے صرف

بڑے لوگ ہی متمتع ہوتے ہیں، یہ غلط خیال ہے۔ خدا کی اس وسیع سرزمین پر لاکھوں کروڑوں ایسے آدمی بستے ہیں جو نہ ہیرو ہیں، نہ مذہبی پیشوا، نہ موجد ہیں نہ آرٹسٹ، نہ کسی دین کے داعی ہیں، نہ کسی نئے فلسفی مذہب کے بانی، پھر بھی ان کی زندگی دکھوں اور غموں سے بھرپور ہے، دکھ درد ایک ایسا سلسلہ ہے جس کے اسیروں میں بڑے اور چھوٹے، گمنام اور نامور سب ہی شامل ہیں، یہ فرق ضرور ہے کوئی بڑا جب پھانس چبھنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو ساری دنیا کو اس کی خبر ہو جاتی ہے، اور کوئی چھوٹا جب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیتا ہے تب بھی کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہوتا،

دکھ اور درد کا ابتلا انفرادی بھی ہوتا ہے اور اجتماعی بھی۔ یہ کیفیت وبا کی شکل میں جماعتوں کو گھیر لیتی ہے۔ تاریخ کے صفحات وبائی امراض ——— ——— ہیضہ، چیچک، طاعون وغیرہ ——— کی الم آفریں اور ہلاکت خیز داستانوں سے بھرے ہوئے ہیں، یہ وبائی امراض خاص طور پر چین کے پسماندہ ملک پر جو ستم ڈھا چکے ہیں، اور یونان کے دور عروج میں جیسی کچھ تباہیاں نازل کر چکے ہیں، وہ ایسے تاریخی حقائق ہیں، جن سے ہر تاریخ کا طالب علم واقف ہے، ان کا تذکرہ اب بھی اتنا ہی دردناک ہے جتنا پہلے تھا!

انسان کی بے بسی!

یہ ہے انسان کی بے بسی دکھ اور درد کے مقابلہ میں، خواہ یہ کیفیت

جسم کی سطح کے اوپر یا کھال کے نیچے جب کالے بادل آتے ہیں تو آسمان کے چہرے کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ یہی حالت دکھ اور بیماری کی ہے، جو انسان کی زندگی کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔ آزار کے بادل بھی انسان کے چہرے کو ڈھانپ لیتے ہیں، اور وہ دکھ سے کراہنے لگتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے انسان کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو جو سرتاسر خطروں سے گھری ہوئی ہے، ہر طرح کے مہالک سے بچائے اور دکھ درد کے بادلوں کو اپنی محنت اور کوشش سے چھانٹتا رہے۔ یہ کام کبھی جراح کا نشتر کرتا ہے، کبھی طبیب کا نسخہ!

باب (۲)

دُکھ کا مداوا!

اس مقام پر ذہن میں خود بخود ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے، یہ کہ وہ پہلا شخص جس نے درد سے نجات دینے کے لیے پہلی بار نشتر کا استعمال کیا، کون تھا؟ ——————؟ اس سے پہلے آدمی کے دل میں یہ راز کس نے ڈالا کہ درد کے مقام پر نشتر لگانے سے صحت حاصل ہو سکتی ہے؟ —————— یہ الہام تھا؟ یا فطرت کی رہنمائی؟ یا ذہن و دماغ کی کار فرمائی؟ یا عقل سلیم کی قیادت؟

سرجری کا آغاز!

بہر حال یہ بتانا مشکل ہے کہ نشتر کا استعمال کب اور کس طرح ہوا؟ البتہ جو قلمی نوشتے دستیاب ہوئے ہیں وہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ جراحت کا فن بھی اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان، —————— حمورابی کے شاہی نشان میں نشتر بھی شریک تھا، موتیا بند کے علاج کے سلسلہ میں وہ نشتر کا باقاعدہ استعمال کرتا تھا، جسم کے دوسرے مقامات کے پھوڑوں اور پھنسیوں کا علاج بھی وہ شگاف سے کرتا تھا، شام (قدیم) کے محلات اور مناروں کی دیواریں ایسی تصویروں سے مزین ہیں جن سے عمل جراحی (سرجری) کے ارتقا اور کمال

کا بیّن ثبوت ملتا ہے، مہابھارت کے دور میں بھی اعمالِ جراحی کا پتہ چلتا ہے، یاد رکھنا چاہیے مہابھارت دسویں صدی قبل مسیح کی سب سے بڑی جنگ ہے، جو ہندوستان کی سرزمین پر لڑی گئی، اس رزمیہ میں چندربنی راجہ کی اولاد کے درمیان جو لڑائی ہوئی تھی اس کا ذکر ہے اس داستان میں عشق و محبت کی کرشمہ سنجیاں بھی موجود ہیں، یہ لوگ جراحت کا اتنا اہتمام کرتے تھے کہ اگر کوئی دیدۂ فن جراحت سے واقف نہ ہوتا تو اسے ایک پروانی چڑیا سے تشبیہہ دے کر اس کا مذاق اڑاتے تھے!

چین میں سب سے پہلے جس نے جراحت (سرجری) کا استعمال کیا وہ بیک وقت دیوتا، شہنشاہ اور جراح کی سہ گانہ خصوصیات کا حامل تھا، ہومر نے فنِ جراحت کو بہادرانہ کارناموں میں شمار کیا ہے، اور جراحوں کے نسب کو شیرون بن عطارد سے نسبت دی ہے،

جراحت کے ساتھ ساتھ انسان جس نئے عذاب سے دوچار ہوا وہ نشتر کا عذاب ہے، جو جرّاح اپنے مریض کو شفا دینا چاہتا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ دل کا سخت ہو، مریض کی آہ و فغاں اور چیخ پکار سے اپنے آپ کو بہرا بنالے، مریض کا نالۂ خواہ کتنا ہی جگر فگار اور درد انگیز ہو، لیکن جرّاح کی انگلی میں لرزش اور اس کے دل میں ترحّم کے جذبات نہ پیدا ہوں، وہ اپنا کام اس استقلال اور عزیمت سے کرتا رہے گویا اس کا عمل کسی ذی روح پر نہیں کسی بے جان ہستی پر ہو رہا ہے!

قرونِ وسطیٰ کا دور!

قرونِ وسطیٰ میں جن دوکانوں اور دواخانوں میں حجامت (پچھنا لگانا) وغیرہ کے سلسلہ میں جو جراحی اعمال برتے جاتے تھے ان کی تصویریں جو برآمد ہوئی ہیں ان سے اُس کوفت اور تکلیف کا اندازہ ہوتا ہے جو مریض کو چھری یا نشتر کے استعمال سے پہنچتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا، جب مریض کو زبردستی آپریشن کی میز پر لے جاتے تھے، جبراً اسے سلاتے تھے، اور اس کے ہاتھ پاؤں اسی سے جکڑ دیتے تھے، پھر جراح اپنا کام شروع کرتا تھا، خواہ وہ آگ سے داغنے کا ہو یا چیر پھاڑ کا، مریض فریب یہ ساری اذیتیں جکڑ بندی کی حالت میں برداشت کرتا، مگر یہ ناممکن تھا کہ وہ جراح کے نشتر سے اپنے بچاؤ اور تحفظ کے لیے کسی قسم کی مزاحمت یا مقاومت کر سکے!

اذیت کا پہاڑ!

آج کل جس عمل جراحی کو ہم بہت معمولی سمجھتے ہیں، قدیم زمانہ میں وہ بھی قیامت سے کم نہ تھا، داڑھ کا اکھاڑنا، دانت کا نکالنا، پھوڑے کا چیرنا، یہ سب ایسے عمل تھے جو مریض کے لیے مصیبت اور اذیت کا پہاڑ بن جاتے تھے!

نشتر زنی کو بطور سزا اور انتقام کے بھی استعمال کیا گیا، نافرمانوں، سرکشوں اور مجرموں کو جب عذاب انگیز سزا دینا ہوتی تھی تو یہی کیا جاتا تھا،

اسکندریہ کے حاکم ڈیسیس[1] نے ایک پجاری کو اس کا عقیدہ ترک کرنے پر مجبور کرنا چاہا، جب وہ کسی طرح قابو میں نہ آیا تو اس غریب کو ایک ستون سے باندھ کر اس کی داڑھیں نہایت بے دردی اور شقاوت کے ساتھ اکھڑوا پھینکیں، یہ واقعہ ۲۴۹ء کا ہے!

اس واقعہ کے ایک ہزار سال بعد جان شاہ انگلستان نے بھی بالکل یہی طریقہ اپنے ایک درباری کے ساتھ برتا، بادشاہ اپنے اس درباری سے ایک بہت بڑی رقم اینٹھنا چاہتا تھا، لیکن وہ کسی طرح بھی اپنے خزانہ سے محرومی گوارا کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا، چنانچہ بادشاہ ہر روز اس سے یہی سوال کرتا اور انکار پر ایک دانت اکھڑوا دیتا، یہاں تک کہ جب چھٹا دن آیا تو اس نے اپنے انکار کو اقرار سے بدل دیا اور کافی رسوائی اور ذلت برداشت کرنے کے بعد آخر بادشاہ کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا، اور مطلوبہ مال پیش کر دیا!

عذاب دوزخ!

اسی طرح صدیوں پر صدیاں اور نسلوں پر نسلیں گذرتی رہیں لیکن جراحت اور نشتر زنی کی دہشت نہ صرف یہ کہ کم نہ ہوئی بلکہ اور بڑھتی رہی، اس سے انسان اسی طرح ڈرتا رہا جس طرح کوئی طاعون یا عذاب دوزخ سے خوف کھاتا ہے، گویا انسان کی قسمت میں یہ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ وہ اپنی ذکاوت اور ایجاد و اختراع کی صلاحیت سے خود اپنی شقاوت کا سامان کرتا رہے، اور اپنے نحیف و لاغر جسم پر ایک نئے درد کا بوجھ لادے، ایسا بوجھ جو بہت زیادہ دشوار بلکہ ناقابل برداشت ہو!

---

(1) Decius

باب (۳)

شعبدہ، ایمان اور عمل!

زمانہ پلٹے کھاتا رہا، قومیں اور ملتیں بدلتی رہیں، اس تغیر اور انقلاب کے ساتھ ساتھ انسان کا نقطۂ نظر بھی بدلتا رہا، پہلے دکھ درد کو شیطان کی کارفرمائی سے منسوب کرتا تھا، پھر اسے دیوتاؤں اور معبودوں کی طرف نسبت دیدیا!

یہ ساری خیال آرائیاں اس وقت تک جاری رہیں، جب تک انسان مرض کے اسباب اور ماہیت کی حقیقت سے ناواقف تھا، یہی وجہ ہے کہ بیماری کے علاج اور دفعیہ کے سلسلہ میں انسان کا جو رویہ رہا ہے اسے ہم تین ادوار میں بڑی آسانی سے تقسیم کر سکتے ہیں، وہ تین دور یہ ہیں:

(۱) دورِ سحر و شعبدہ بازی،

(۲) دورِ ایمان و یقین،

(۳) دورِ علم و کیمیا،

اب ہم ان تینوں ادوار پر الگ الگ ذرا وضاحت کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں:

دورِ سحر و شعبدہ بازی!

ابتدائی عہد کے انسان کا طریقۂ فکر و تدبر تمامتر خیال آفرینی پر مبنی تھا

بنتے ہیں، مگر اب بھی وہ شیطان جو تمام تر خود انسان کے واہمہ کی تخلیق تھے، اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے، یہی وہ شیاطین تھے جنہوں نے بادشاہ صود پر اس لیے بیماریاں نازل کیں کہ وہ تخت فرماں روائی سے دستکش ہو جائے، انہی شیطانوں نے شہر وزامبرگ کی ایک مسکین اور معصوم لڑکی کے جسم میں اس بری طرح ڈیرا ڈالا تھا کہ اس کے مریض اور ناچار بدن میں جو شیطان نزول فرما اور متمکن تھے، ان کی تعداد ۳۹۶ تک پہنچ گئی، انہی شیطانوں کی بدولت پاگلوں اور مجنونوں کو جنگل میں اس طرح دھکیل دیا جاتا تھا، جس طرح وحشی اور خونخوار جانوروں کو جنگلوں کی طرف کھدیڑا جاتا ہے !

نادان انسان!

مسکین اور نادان انسان کی جہالت کتنی افسوسناک اور قابل رحم تھی!—

نادان انسان نے ان شیطانوں سے جنگ کے کتنے بھدّے طریقے اختیار کیے تھے؟ ———؟

بیماروں کے اندر شیطانوں کی سمائی کا یقین کر کے وہ شیطانوں کے تعاقب میں لگ جاتا تھا، اور ہر امکانی کوشش وہ ان کے استیصال کے سلسلہ میں صرف کر ڈالتا تھا، شیطانی مریضوں کو شیطان اتارنے کے لیے طرح طرح سے ڈرایا جاتا تھا، ان پر اس طرح حملہ کیا جاتا تھا جس طرح ذی عقل اور زندہ اجسام پر سوچ سمجھ کر حملہ کیا جاتا ہو، کہیں مریض کے بستر کے آس پاس دودھ اور مٹی سے گوندھے ہوئے اور بنائے ہوئے قسم قسم کے سر، مرض

یہی وجہ تھی کہ اس نے نادیدہ قوتوں کو اپنی طرف سے وجودی لباس پہنا دیا تھا، اور ہر بیماری اور امراض کے جملہ اقسام کو وہم و رسم کے اعتبار سے الگ الگ شیطانوں سے منسوب کر دیا تھا، مثلاً کان کی بیماریوں کو اُس شیطان سے نسبت دی، جس کے دو بڑے بڑے کان ہیں، دار الملوک یعنی نقرس (چھوٹے جوڑوں کا درد) کا تعلق کیڑوں مکوڑوں کی شکل سے ملتے جلتے شیاطین سے قائم کر دیا، دانتوں کے درد کے لیے کیڑے کی شکل کا شیطان بنایا اور اس درد کو اس سے منسوب کر دیا، غرض ہر بیماری کے لیے ایک علیحدہ شیطان تجویز کر لیا، اور ان شیطانوں کو کبھی انسان سے تشبیہ دی، کبھی حیوانوں سے، کبھی کیڑوں مکوڑوں سے، یہ ایسے شیطان تھے جو درختوں اور جھاڑیوں میں پناہ لیتے تھے، یا ہوا کے زور سے سطح زمین پر آگرتے تھے، اور بارش کے ساتھ فضا میں گھل مل جاتے تھے، یہ شیطان کبھی رات کے سناٹے میں دبے پاؤں مریض کے پاس جا پہنچتے تھے، یا پیچھے سے یکایک اس پر ٹوٹ پڑتے تھے، اور اسے پچھاڑ دیتے تھے،

اب ایک نیا زمانہ شروع ہوتا ہے ——— !

شیطانی زمانہ !

دوسری نسل پہلی نسل کی جگہ لے لیتی ہے، آبادی کی شکل و ہیئت بدل جاتی ہے، پہاڑوں کی گپھاؤں اور غاروں کی جگہ سر بہ فلک محلات اور پر شکوہ ایوان و قصور سطح ارض پر قائم ہو جاتے ہیں، اور یہی محلات و قصور انسان کا مسکن

رفع کرنے کے لیے تجویز کیے جاتے تھے، کہیں بھنگ کے درخت اور خوشبودار گھاس کی دھونی دایہ کی جھونپڑی کے سامنے دی جاتی تھی تاکہ خبیث روحیں بھاگ جائیں، اور زچہ و بچہ پر کوئی برا اثر ان کا نہ پڑنے پائے، کوئی کان اور ناک میں حلقے (بالے) اور انگوٹھیاں لٹکا لیتا، کوئی مختلف اشکال اور خطوط کے گدنے گدوا لیتا اور مطمئن ہو جاتا کہ اب آسیب کا خلل دور ہو گیا۔ کوئی حیوانات نباتات اور پتھروں کی ڈراؤنی شکلیں اپنے ہاتھ پر گدوا لیتا کوئی دو قدم اور آگے بڑھتا، چیتے کے پنجہ کی تصویر نقش کرا لیتا، کچھ لوگ اور دوسرے طریقے اختیار کرتے نئے نئے اور نو ایجاد طلسم کھچوا لیتے، منتروں سے کام لیتے، مقصد ان سب باتوں کا یہ تھا کہ خبیث روحوں، شیطانوں اور آسیبوں کو ڈرایا دھمکایا جا سکے، انھیں اپنے وجود کے قریب نہ آنے دیا جائے، اور انہیں اپنے آپ سے زیادہ سے زیادہ دور رکھا جائے!

ایک اور ہتھیار!

چونکہ انسان کو قدرت کی طرف سے قوت گویائی کا بہرۂ وافر عطا ہوا ہے اور یہ خصوصیت کائنات میں انسان کے سوا کسی دوسرے جاندار کو میسر نہیں، خواہ وہ عناصر ہوں، وحشی جانور ہوں، یا شیاطین، ان میں سے کوئی بھی بات کرنے اور کلام کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، اس لیے انسان نے اپنی قوت نطق کو بھی عزیمت اور سحر کا ہتھیار بنا لیا، جو شیاطین اسے تکلیف دیتے، یہ انھیں پکارتا، ان کے نام کی دہائی دیتا، ان سے رحم و کرم کی اپیل کرتا، وہ

درد سے بے قابو ہو کر چیخ اٹھتا !

" اے سر کے درد میرا پیچھا چھوڑ دے ! "

" اے داڑھ کے درد تو رخصت ہو جا ! "

" اے دل کے درد، تو میرے پاس سے دور ہو جا ! "

یہ تھے وہ مختلف نعرے جو انسان درد سے بے قابو اور نڈھال ہو کر لگایا کرتا تھا !

عورت کا مرتبہ !

آغاز تمدن میں عورت کا درجہ یہ تھا کہ وہ گھر کی مالکہ یا سردار کی حیثیت رکھتی تھی، انسان نے سب سے پہلا عجوبہ یہی دیکھا تھا کہ زندگی کی کونپلیں عورت ہی کے پہلو سے پھوٹتی ہیں۔ اس نے یہ خیال کیا کہ ولادت، موت پر غالب آجاتی ہے اس لیے دفاع کا معاملہ اس نے یکسر عورت کے سپرد کر دیا، کیونکہ تنہا یہی مادرانہ شفقت کے ذریعہ بچے کو بچا سکتی تھی، اور بچہ کے گہوارہ سے شیطانی اثرات کو دور رکھنے اور شیطانی سرگرمیوں کو ناکام رکھنے کی قدرت رکھتی تھی، رفتہ رفتہ یہ عقیدہ بھی بڑھ پکڑ گیا کہ عورت ساحرہ اور کاہنہ بھی ہوتی ہے، وہ غیب کی خبریں بھی بتا سکتی ہے، وہ آنیوالے زمانہ کا حال بھی جانتی ہے، وہ بیتے ہوئے دنوں کی کہانی بھی سنا سکتی ہے، وہ بہت کچھ کر سکتی ہے، مرد سے زیادہ اثر اور طاقت روحانی کی مالک ہے !

لیکن عورت اس تختِ اقتدار پر بہت زیادہ عرصہ تک متمکن نہیں رہ سکی، جلد ہی وہ زمانہ آگیا کہ وہ اپنے اس منصب سے مرد کے حق میں دستبردار ہوگئی۔ عورت کے ہاتھ سے نکل کر یہ منصب مرد کے ہاتھ میں آیا تو اس نے اس فن کی تکمیل اس طرح کی کہ سوانگ رچانے اور شکل بدلنے اور بھیس نکالنے کو بھی فن کے ضمیمہ میں شامل کرلیا، وہ ساحر بننے کے لئے اپنی شکل بدلتا، شیطانوں اور بھوتوں کا سالباس پہنتا اور نظروں سے غائب ہوکر مادہ کی قید سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا تاکہ مریض کو ستانے والی بدروح کا کھوج لگاتا لگاتا وہ عالمِ اجساد سے عالمِ ارواح میں جا گھسے!

ساحر کی وضع قطع!

ساحر کی وضع یہ ہوئی کہ وہ ہمیشہ ہاتھ میں ایک کشکول رکھتا، اس میں اعمالِ سحر کی بجاآوری کے لیے ضروری سامان رہتا مثلاً گھوڑے کے دانت، مگرمچھ کی ہڈیاں، ناگ کی دم، فندق کی شاخ، کنجشک کا گلا، اور گول گول کنکریاں؛

ساحر اس ساز و سامان کے ساتھ مریض کے کمرے میں داخل ہوتا اس کے دونوں شانوں پر مختلف رنگوں اور نقشوں والی ایک چادر پڑی ہوتی اور دونوں پہلوؤں میں ایک خانہ دار جھاڑی کا پنکا بندھا ہوتا، وہ مریض کے سامنے اکڑوں بیٹھ جاتا۔ ڈفلی بجانے لگتا، اور اس کے دائیں بائیں دو کھڑا کر چلنے لگتا، یہاں تک کہ مریض پر غفلت طاری ہو جاتی، قریے

کے لوگ آس پاس سے اس کے حرکات وسکنات دیکھتے رہتے۔
انہی حرکتوں کے دوران میں ایک وقت ایسا آجاتا جب ساحر لوگوں
کو باور کرا دیتا کہ لو دیکھو وہ شیطان آگیا، پھر وہ کہتا
" اب میں شیطان کو دیکھ رہا ہوں، اب میں اس کی آواز سن سکتا
ہوں "

پھر وہ ساحر اپنا سر ڈفلی میں داخل کر کے کان لگاتا اور شیطان کی شرطیں
سنتا اور اسے وعدے وعید سے بہلانے پھسلانے کی کوشش کرتا، جب
اس میں کامیابی ہوتی نظر نہ آتی تو اس پر اندھا دھند اور بے تحاشہ
ڈنڈے برساتا یعنی مریض کو لاٹھی سے خوب مارتا، باقی لوگوں یعنی حاضرین
مجلس کو بھی شیطان کے شر سے ڈراتا۔ ساحر کی ان ضربوں اور پیہم دراز
دستیوں سے بچاؤ کی کوئی صورت اُس وقت کے یعنی عہد قدیم کے ناچار
اور بے بس انسان کی سمجھ میں نہ آتی، ——!

ایمان کا دور!

اس دور کے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اور یہ دور ہے
ایمان و یقین کا دور، اب انسان کی توجہ براہ راست آسمان کی طرف ہوتی
ہے، اور وہ اپنے امراض و آلام کا سبب دیوتاؤں کے غصے کو گردانتا ہے؛
جوپیٹر کو جب برومتہ کے کفر وطغیان پر غصہ آیا تو اس نے "باندد"
دیوی کو آسمان کی بلندی سے زمین کی پستی پر بھیجا یہ دیوی مختلف قسم کی

رنگا رنگ بیماریوں سے بھرا ہوا صندوق اپنے ساتھ لائی تھی، اس نے آتے ہی اپنے صندوق کو کھول دیا، بیماریاں نکل پڑیں اور انسان کے درمیان طرح طرح کے امراض پھیل گئے، اور اب اس صندوق میں امید کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہ گئی،

ہندو عقیدہ!

ہندوؤں کے عقیدہ میں وردنا، دیوتا، گناہگار کو استسقا میں مبتلا کر کے سزا دیا کرتا تھا، یہ دیوتا بارمانی کا دیوتا تھا، ایسی حالت میں کاہنوں اور ساحروں کے مرجوعہ کا بڑھ جانا بالکل قدرتی اور فطرتی تھا، لوگ ان کاہنوں اور ساحروں سے لپٹے رہتے تھے، انہی کو اپنا معالج اور طبیب چارہ گر اور نبض شناس سمجھنے لگے تھے، اور انہی کے واسطے اور ذریعہ سے دیوتاؤں کی رضاجوئی اور خوشنودی کے مساعی رہتے تھے، "ای" دیوی آسمان سے زمین پر ایک کاہن ہی کے ہاں اُتری، تاکہ اس کیڑے کو قتل کرے جو شہر صور میں ایک مریض کے دانتوں کو چھید رہا تھا، "اسیداس" ہندوستان کے وہ طبیب اور وید تھے جو اپنی سونے کی رتھوں پر آسمان سے اُترتے تھے تاکہ زمین والوں کو مرض اور دکھ سے نجات دیں!

بجلی کا دیوتا "رودرا" اپنے بائیں ہاتھ میں تریاق لیے رہتا تھا تاکہ دردمندوں اور سینہ فگاروں کے فوراً کام آسکے، اسکنڈی نیویا کے

معبودوں کا باپ " ووٹن " کاہنوں کو اس امر کی تعلیم دیتا تھا کہ جن لوگوں کو بجلی، گرج، آگ اور چڑیوں کی پرواز سے کسی قسم کی تکلیف پہنچ جائے، ان کا علاج کس طرح کیا جائے؟ ان کے مداوے کے لئے کیا کیا، اور کیسی کیسی تدبیریں عمل میں لائی جائیں، انھیں سکون پہنچانے، مطمئن کرنے اور ان کے دھڑکتے ہوئے دل کو آرام پہنچانے کے لئے کون سے ذرائع اور وسائل کام میں لائے جائیں؟

مسیحی عقیدہ!

اولمپیا میں بہت سے دیوتا، رحمت اور شفقت کے دیوتا تھے، مثلاً ابولوں، ہرمس اور ارتمیس جب کبھی بھینٹ چڑھاتے ہوئے جانوروں کے جلانے سے دھواں اٹھ کر ان کی طرف چڑھنے لگتا تو یہ دیوتا دعائیں قبول کر لیتے تھے،

اسی طرح رومیوں کے ہاں ہر بیماری کا ایک دیوتا تھا۔ پرانے قصوں کہانیوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ موت بری طرح انسانوں کو مارنے لگی، تو ایک دیوتا آسمان سے زمین پر اترا تاکہ موت کی اس سفاکی اور بے باکی یا سرگرمی کا سبب اور علت معلوم کرے، جب وہ زمین پر اترا تو اس نے دیکھا کہ پانی میں زہر ملا ہوا ہے، یہ دیکھ کر اس دیوتا نے پانی سے سارا زہر کھینچ لیا اور اسے ایک پیالہ میں جمع کر لیا" اور پھر اس جمع شدہ پانی کو پی کر خود مر گیا، تاکہ انسان کو موت کے بے پناہ پنجہ سے چھڑائے!

اللہ کا بیٹا !

چنانچہ عیسائی مذہب کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے اپنے بیٹے کو لوگوں کی خطائیں بخشنے کے لئے دنیا میں بھیجا وہ (عیسےٰ) آسمان اور زمین کے مابین یک واسطہ تھے، یعنی خالق اور مخلوق کے درمیان ان کی ذات ایک قسم کا ناقابل انفصال ربط قائم کیے ہوئے تھی، جناب مسیحؑ کو امراض سے شفا دینے، بیماروں کو چنگا کر دینے اور ناچاروں کو تندرست بنا دینے کی عجیب قدرت حاصل تھی، جب انھیں سولی دی گئی اور وہ آسمان پر چڑھے تو یہ قوت زمین پر ہی رہ گئی، اور ان کے واسطہ سے گرجا میں منتقل ہو گئی، اب پاپاؤں، کاہنوں، شہیدوں، راہبوں، عابدوں اور زاہدوں کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ ہاتھ سے مریض کو چھو کر درد اور بیماری پر غلبہ پالیں، اسے دور کر دیں، اور انسان کو بالکل بھلا چنگا کر دیں، جیسا کہ مرقس کے سولھویں اصحاح میں آیا ہے !

" وہ مریضوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیتے ہیں اور وہ چنگے ہو جاتے ہیں "۔

زندہ اور مردہ !

۹۰۰ء میں مریض کو چھو کر شفایاب اور تندرست کر دینے کا امتیاز بادشاہ سلامت کا خاص الخاص حصہ قرار پایا، بادشاہ کو یہ قوت تاج شہریاری کے ساتھ ساتھ ملا کرتی تھی، بلکہ تاج کے ملتے ہی خود بخود حاصل ہو جایا کرتی تھی

قدیم زمانہ میں شہنشاہ "فسیازیان" سرابیس کے مندر میں مریضوں کو اسی طرح شفا عطا کیا کرتا تھا، ازمنہ وسطیٰ میں نصرانی بادشاہ ——— بادشاہ پاپا، اور طبیب تینوں کی بیک وقت نمائندگی کرتا تھا جب ہنری چہارم پیرس میں گشت کرتا تھا تو عوام چاروں طرف سے اس کے پاس آتے تھے، وہ اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑتا تھا اور انسانی ہجوم کے درمیان مریض کے مقام درد پر اپنا انگوٹھا اور انگشت شہادت رکھ کر پہلے صلیب کا نشان بناتا تھا اور پھر اس سے کہتا تھا :

"اللہ تجھے مس کرے، اللہ تجھے شفا عطا فرمائے"

لیکن بادشاہ، پاپا اور شہدا سب فانی ہیں، ہمیشہ رہنے والے نہیں، اور مریض اپنی بیماری اور ضعفِ عقل کے باعث یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ قدوسیوں کی یہ جماعت اگر فانی ہے، اور اس پر بھی اسی طرح موت طاری ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے جس طرح دوسرے اور عام انسانوں اور آدمیوں پر، تو بھی وہ شفا بخشی نہ مر سکتی ہے، نہ کمزور ہو سکتی ہے جو انھیں قدرت کی طرف سے عطا ہوئی ہے، لہٰذا اس شفا بخشی کی قوت پر انھیں جو اعتماد تھا، وہ ایمان کی صورت میں جلوہ گر ہو گیا، لہٰذا ان مرنے والے بزرگوں کے آثار وغیرہ کی طرف ان کی عقیدت منتقل ہو گئی، اور وہ انھیں مرنے کے بعد بھی فعّال اور اثر انداز دنیاوی معاملات میں ماننے لگے، لہٰذا ان بزرگوں کے نام کا وظیفہ پڑھنا، ان کے نام کی تسبیح کرنا، ان کے مزاروں کی زیارت کرنا، ان کے باقی ماندہ ملبوسات اور آثار و نقوش

کو آنکھوں سے لگا لینا ہی ان کے لئے شفا بخش اور حیات افزا قرار پا گیا!

نئی تجارت!

ان مقدس آثار اور بقیات کی عبادت کو رفتہ رفتہ اتنی ترقی ہوئی کہ یورپ میں ایک نئی تجارت کا بڑا وسیع میدان کھل گیا۔ یہ نئی تجارت، کاسۂ سر، خاکستر، انگلیوں، ہاتھوں اور دوسرے اعضا کی تجارت تھی، لیکن یارانِ طریقت نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، ایمان اور عقیدہ میں دوسری بہت سی خرافات کا بھی انھوں نے اضافہ کر لیا، مثلاً عورتیں جنگل میں چلی جاتیں اور کسی درخت میں شگاف ڈال دیتیں، تاکہ وہ ان کی بیماری کو چوس لے، یا درد کی جگہ کو لاٹھی سے مس کرتیں، یا اپنے عقیدہ کے مطابق درد کو سورج یا چاند کی روشنی سے دور کسی تاریک جگہ پر پھینک آتیں، ان میں سے بعض عورتیں اپنی بیماری کو پانی میں غرق کر دیتیں، یا آگ میں جلا ڈالتیں، یا اسے آٹے کے ساتھ گوندھ کر روٹی میں پکا لیتیں، اور کسی انجان مسافر کے ہاتھ اسے فروخت کر دیتیں اور اس طرح اپنے زعم میں بیماری اور رنج سے چھٹکارا حاصل کر لیتیں —!

عقل اور منطق!

لیکن ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوتا رہا کہ جب کبھی انسان کی آزاد فکر کو تقلید اور رسم کے خلاف بغاوت کرتے، اور خرافات کی بیڑیاں

کاٹ پھینکنے کا موقعہ قدرت کی طرف سے ملتا، تو وہ عقل اور منطق کی طرف رجوع کرتا۔ اور عقل و منطق کی روشنی میں مریض کو اچھا کرنے، مرض کو دور کرنے اور علالت پر غلبہ پانے کی کوشش میں سرگرمی اور جوش کے ساتھ منہمک ہو جاتا، اس خصوص میں قدیم اور جدید کی تخصیص بیکار ہے، یہ بات ہر دور میں ہوتی رہی، اور شاید ہمیشہ ہی اس کا سلسلہ جاری رہے گا یعنی انسان کو جب بھی کوئی موقعہ تقلید اور رسم کہن کی جکڑ بند سے آزاد ہونے کا ملے گا وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا، اور عقل و منطق کی روشنی میں زندگی کا سفر جاری رکھے گا!

رواقی عقیدہ!

حکمائے رواقیین کا خیال تھا کہ بیماری کو نہ مانا جائے، اسے حقیر اور فرومایہ سمجھا جائے، تو اس پر بڑی آسانی سے فتح حاصل کی جا سکتی ہے، اور اس کا سارا زور بڑی خوبی کے ساتھ توڑا جا سکتا ہے۔ بوزیدون[1] اس رواقی مذہب کے پرجوش اور سرگرم پیروؤں میں سے تھا، وہ جب جزیرہ روڈس کے مقام پامپیئی میں آیا، تو اسے نقرس کے درد کا شدید دورہ پڑا، اس نے بڑے صبر اور بہادری کے ساتھ مرض کے اس شدید حملہ کو برداشت کیا اور اپنے مشہور ملاقاتی سے گفتگو کا سلسلہ غیر منقطع طور پر جاری رکھا، مرض کی شدت کو اس نے غالب نہ آنے دیا، اور اپنے کام میں پوری

(1) Poseidon

یکسوئی کے ساتھ منہمک رہا!

اسپینوزا اور ڈیکارٹ بیماری کی تحلیل کو اس کی تخفیف کا بہترین ذریعہ خیال کرتے تھے، اسی طرح "پسکال" پر جب بیماری کا حملہ ہوتا، یا مرض کا غلبہ شدید صورت اختیار کر لیتا تو وہ اپنے فلسفیانہ اور حسابی قضیوں میں اور زیادہ سرگرمی کے ساتھ مصروف و منہمک ہو جاتا، تاکہ فکر کی قوت سے مرض کی شدت کو بھگا دے!——!

علم اور کیمیا کا دور!

زمانہ بدلا!

اور زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ہی شیاطین اور ارواح خبیثہ کا دور بھی گزر گیا!

ساحروں اور شعبدہ بازوں کی نیرنگیاں بے اثر ہو کر پردہ ناکامی میں منہ چھپانے لگیں،! دیوتاؤں کا سورج ڈھلنے لگا!

شفایابی کے لئے لوگ رسم ورواج، قربانی اور بھینٹ نذر و نیاز کی جن بندشوں میں جکڑے ہوئے تھے وہ حالات کے ساتھ ساتھ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ خود بخود ڈھیلی پڑنے لگیں،!

اور اب لوگوں کا یہ حال ہو گیا کہ ظاہر میں تو آباؤ اجداد کی عادات و روایات کا سہارا لیتے مگر دل میں ان خرافات اور مزخرفات پر ذرا بھی یقین نہ رکھتے وہ سب چیزیں جو پہلے سے ہوتی چلی آتی تھیں اب ان کی

نظریں بالکل بدل چکی تھیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ ہیچ اور ناکارہ قرار پا چکی تھیں !

ساحروں اور کاہنوں کے الفاظ اب ان کے نزدیک خالی خولی لفاظی اور تک بندی سے زیادہ وقیع نہ رہے تھے !

ساحروں اور کاہنوں، شعبدہ بازوں اور پجاریوں کے اعمال و افعال، اشارات اور حرکات اپنی ساری تاثیر میں کھو چکے تھے، اب ان میں خدا بھی دم باقی نہ رہ گیا تھا، اب ان کی افادیت مجروح ہو چکی تھی، اب وہم اور اندھے عقیدہ کا دور ختم ہو رہا تھا، عقل اور منطق کے اقتدار اور حکومت کا دور شروع ہو رہا تھا !

تجربہ و عقل کی طرف گریز!

سوال پیدا ہوتا ہے، انسان میں یہ تغیر کب ہوا؟ یہ انقلاب کیسے آیا؟

جواب یہ ہے کہ یہ تغیر اور انقلاب اس وقت پیدا ہوا جب کچھ لوگوں نے بعض نباتات، جڑیوں اور بوٹیوں، پھلوں، پھولوں اور پتوں کے افعال و خواص دیکھ کر، پرکھ کر، تجربہ میں لاکر، اپنے اندر ایک خاص قسم کا استعجاب و انتباہ محسوس کیا، انھوں نے عشخاش، بھنگ وغیرہ کو تجربہ کی روشنی میں لاکر دیکھا کہ اس سے نیند آتی ہے، اور انسان دکھ درد کی کیفیت کو کچھ عرصہ کے لئے بھول جاتا ہے !

ان نباتات کا استعمال شروع ہوا ! ——————— لیکن ان کا

استعمال مخدوش نتائج کے باعث تیزی کے ساتھ عام نہ ہونے پایا، کیونکہ ان کی افادیت کے ساتھ ان کی خطرناک ماہیت بھی تجربہ میں آچکی تھی، مریض ان سے ڈرتے تھے اور اطبا ان سے گھبراتے اور ان کے بے محابا استعمال سے پرہیز کرتے تھے!

کوکبی دھات!

آخر رفتہ رفتہ وہ دور آیا کہ علمائے کیمیا اور سائنس نے ان خواب آور ادویہ سے ایک خواب آور مادہ نکال لینے کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ایسا مادہ جو ہر ملاوٹ سے پاک ہو، بالکل صاف اور خالص ہو، لیکن ابھی تک علم کیمیا سحر و ساحری اور شعبدہ گری سے لپٹا ہوا تھا، بعد میں یکگونہ اس میں تصوف کی آمیزش بھی شروع ہوگئی، جو لوگ کیمیا کا شغل رکھتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ اولیں مادہ ایک اثیری جوہر ہے جس کا نام "روح حیوانی"[1] ہے، یہ جوہر بعض ستاروں کے خفیہ اور پوشیدہ اثرات کا تابع یقین کیا جاتا تھا، چنانچہ کیمیا سازوں نے سب سے پہلے سونا نکالنے کی کوشش کی، جو فعلِ شمس (سورج) کا تابع تھا، ان کا خیال تھا کہ یہ کوکبی دھات ایسی لاجواب اور بے مثل چیز ہے جس میں تمام امراض سے شفایابی کی غیر معمولی صلاحیت اور افادیت موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ ان تمام زمانوں میں کیمیاوانوں کی ساری کوششیں اسی پارس پتھر تک محدود رہیں۔ ان کا

---

(۱) Anima

عقیدہ تھا کہ اس کو کسی دھات میں جو سونا ہے، اس کے اندر روح حیوانی پوشیدہ ہے، اسے کام میں لانے اور اکسیر حیات میں تبدیل کرنے میں یہ پارہ متحیر حیرت انگیز قدرت رکھتا ہے،

ضمنی اکتشافات

اس خیالی مرحلے تک پہنچنے میں جد و جہد کے دوران میں ان لوگوں کو خوش قسمتی سے بعض کارآمد اور مفید مادوں کا پتہ لگ گیا، لیکن چونکہ ان کے خیالات تمام تر شمس پر مرکوز تھے اور نگاہیں خیالی سونے کی کھوج میں لگی رہتی تھیں، اس لئے وہ ان ضمنی اکتشافات پر کوئی خاص توجہ نہ کر سکے، بلکہ سرے سے انھوں نے ان مفید اور تعجب انگیز اکتشافات کو کسی قسم کی کوئی اہمیت ہی نہیں دی!

انہی فنی تجارب کے دوران میں تیرھویں صدی عیسوی کے زمانہ میں ان کیمیا سازوں نے "ریموند لول" ایک سفید سیال کا انکشاف کیا اور اس کا نام "کبریت شیریں" رکھا، لیکن اس سیال میں خواب آوری کی جو خاصیت پائی جاتی تھی، اس کا پتہ کہیں دو سو سال کے بعد ہی جا کر لگ سکا،

ازمنۂ وسطےٰ کا دور انہی حالات میں گزر گیا اور پھر انقلابی دور آپہنچا!

برا سلس کے تجربے!

یہ وہ دور تھا، جو انقلاب و تغیر کے جوش و خروش سے بھرپور تھا، اس

میں انقلاب و تغیر کی لہریں طوفان کی طرح اٹھیں اور آسمان سے باتیں کرنے لگیں، جو لوگ سونے کی تلاش و تجسس میں سرگردان رہتے تھے، وہ اب پیچھے ہٹ گئے، اور انھوں نے براسلس جیسے خالص کیمیا دانوں کے لئے جگہ خالی کردی، اس شخص نے طبیعی حالات میں زندگی گزاری، زمین اور اس کی پیداواروں کا مشاہدہ کیا، زخموں کو ٹٹولا، بیماریوں کو دیکھا، اور زندگی کا وسعت نظر کے ساتھ مطالعہ اور مشاہدہ کیا، اس نے ایک طبیب کی حیثیت سے دنیا کو کھنگال ڈالا، اور چار دانگ عالم کی سیاحت کر ڈالی، اور خود اپنی آنکھ سے وہ سب کچھ دیکھا جسے آلام و امراض کے سلسلہ میں دیکھا جاسکتا تھا، اس کے تجربہ اور مشاہدہ کی قوت نے اسے علم شفا بخشا، وہ کائنات کے ہر گوشہ میں داخل ہوا، جراحوں سے ملا، ساحروں سے گفتگو کی، شعبدہ بازوں کی نیرنگیاں دیکھیں، ان بڑی بوڑھی عورتوں سے باتیں کیں جو مساج یعنی مریض کے اعضا کو ملنے دلنے اور ہموار کرنے میں بڑی مشّاق تھیں!

طبیعت کی رفتار

براسلس نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا! ——————!

اس نے وادیوں کی خاک چھانی، پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچا، گھنے جنگلوں کی تگ و دو کی، کھیتوں اور کھلیانوں کا جائزہ لیا، اس ساری جد و جہد اور تگ و دو کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ طبیعت کی رفتار کا نظارہ کرے، اور مختلف پیداواروں سے تسکین دینے والی گھاس پھوس، جڑی بوٹی یا نباتات کا بھید

معلوم کرے ، وہ اس حقیقت کا رمز آشنا تھا کہ تجربے اور آزمائش کے وسائل جو اس کے گردوپیش موجود ہیں - بہت محدود ، بہت کم ہیں لیکن اس نے ہمت ہارنا نہ سیکھا تھا ، اس نے اپنی توجہ صرف کیمیا پر مرکوز کر دی تاکہ تطہیر (پاک صاف کرنا) ترشیح (چھڑکنا) اور تقطیر (قطرہ قطرہ کرنا یا ٹپکانا) کے اعمال سے اس کمال تک رسائی حاصل کر لے ، جو طبیعی جدوجہد کے کمال سے اب تک حاصل نہ ہو سکا تھا ،

انہی الجھنوں اور مصروفیتوں میں دن گزارتے گزارتے ایک دن اس نے الکحل (روحِ شراب) سلفیورک ترشے (گندھک کے تیزاب) میں ملایا ، اسے گرم کیا ، اور پھر اس مرکب سے جو دھواں اٹھا ، یا بھاپ پیدا ہوئی اسے کیمیاوی طور پر جما دیا ، یا منجمد کر دیا ، اب کیا دیکھتا ہے کہ یہ تو وہی سفید سیّال ہے ، جسے ریمنڈ لول نے دو سو برس قبل دریافت کیا تھا پراسلس نے جب اس کا مزید تجربہ کیا تو اس کو خواب آور پایا ، نیز درد دینے والے اور ٹیس پہنچانے والے امراض میں بہت مسکن اور مفید پایا !

کبریت شیریں

لیکن جس طرح انسان کے لئے بہت سے قاعدے قانون ہیں ، اکتشافات اور ایجادات کے لئے بھی ہیں ، یہ بھی اپنے وقت اور اصول کے پابند ہیں ، چنانچہ اس سفید سیّال یعنی کبریت شیریں " کو مزید ایک سو سال کے لئے طاقِ نسیان پر جگہ مل گئی ، یہاں تک کہ نیوٹن ، گاڈفرلے

اور بویل کا زمانہ آیا، اور ان لوگوں نے اس سیال کو قعرِ گمنامی سے نکالا مگر خوابِ غفلت کا دور ابھی جاری تھا، نیند کے مارے ذرا دیر کے جاگے، اور پھر انگڑائی لے کر سو گئے، پھر جرمنی کے دو اساز فرنیوس نے ۱۷۹۲ء میں اس طرف توجہ مبذول کی، اور علمائے سائنس کو ادھر متوجہ کیا، اب اس کا نام "اثیر یعنی" "ایتھر" پڑ گیا،

چنانچہ یہ جوہر (سفید سیال) ضیق النفس، اور ہوائی نالیوں کی بیماری کے علاج کے لئے استعمال ہونے لگا، یعنی یوں سمجھئے کہ براسلس نے اس کی جن خواب آور خصوصیات کا اکتشاف کیا تھا انھیں مزید سو سال کے بعد کام میں لایا جا سکا، اس سے پہلے نہیں!

باب (۴)

آخری ساحر

اس موضوع پر ہم زیادہ شرح وبسط سے کام لینے کے بجائے صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ایک ایسے عجیب شخص کی تاریخ حیات سے چند چیزیں انتخاب کر لیں، جس کے اثرات دکھ درد کے علاج میں بڑی کامیاب اور دور رس کہے جا سکتے ہیں، یہ وہ ہنگامہ پرور شخص تھا جس کے نام سے بیسویں صدی گونجتی رہی، ساحری اور نباتات وکیمیا کی کاگذاری کا دور گزر چکا تھا، اس کے بجائے اب ایک جدید علم نے جنم لیا تھا، جو علوم طبیعیہ اور ایمان بالعجائب کا ایک دلچسپ اور عجیب وغریب مرکب ہے!

مسمریزم!

اس جدید علم کا ماحصل یہ ہے کہ یہ کائنات حیوانی یا ذی حیات قوتوں کا ایک مجموعہ ہے، اور انسان اس کل کا ایک جز ہے، اس کے اندر ایک ایسا کوکبی سیال گشتہ تا رہتا ہے جو کائنات کو چلاتا ہے اور گردش میں رکھتا ہے، اگر کوئی شخص اس سیال کے حاصل کرنے اور اسے مریض کے جسم میں داخل کرنے پر قدرت پالے تو بلاشبہ اسے ایسی عجیب دوا مل جائے گی جو افلاک کا تغذیہ کرنے والی ذی حیات قوتوں سے پیدا ہوتی ہے

یہ کوئی معمولی بات نہ تھی، اس کے لئے کسی بڑے جری اور باہمت شخص کی ضرورت تھی، جو میدان میں آتا اور خم ٹھونک کر لوگوں سے کہتا:

"میں ہوں وہ شخص جو اس شفا بخش سیال کو حاصل کر سکتا ہے میرے ہاتھ اور زبان کی فیض گستری سے ایسی قوتیں ابھرتی ہیں، جو درد کو دور کر دیتی ہیں۔ اور مرض کا استیصال کر دیتی ہیں!"

آپ جانتے ہیں، یہ شخص کون تھا؟

یہ تھا مسمر!

یعنی مسمریزم کا موجد!

یہ الٰہیات کا ماہر تھا، فلکیات، طب اور موسیقی میں بھی یگانہ قابلیت اور مہارت کا حامل تھا، اس نے اپنی عملی زندگی وائنا (آسٹریا) میں شروع کی، اس کے ہاتھوں ہنگری کے ایک امیر کبیر کو جان لیوا بیماری سے شفا حاصل ہوئی، اسی نے ملکہ میری کی خادمہ کو اچھا کر دیا، جو اندھی ہو چکی تھی، اس کی آنکھیں پھر روشن ہو گئیں، بینائی پھر عود کر آئی۔ ان کارناموں کے بعد جب مسمر نے ویانا سے پیرس کا رُخ کیا تو اس سے پہلے اس کی شہرت وہاں پہنچ چکی تھی،!

سنگ مقناطیس

شروع شروع میں مسمر سنگ مقناطیس سے کام لیا کرتا تھا، مگر جب مریضوں کی کثرت ہوئی اور لوگوں کی بھیڑ رہنے لگی، تو اسے ایسا طریقہ تلاش

کرنے کی فکر ہوئی جس سے کام لے کر تھوڑے وقت میں لوگوں کی بڑی تعداد کو زیر علاج لایا جا سکے، اس کام کے لئے اس نے ایک چھوٹے سے ڈنڈے یا چھڑی کا استعمال شروع کیا، یہ چھڑی مقناطیسی قوتوں سے متاثر ہوتی تھی، اس کے ذریعہ وہ ایک ہی وقت میں ۳۰ آدمیوں سے لیکر ۱۰۰ آدمیوں تک کا علاج کیا کرتا تھا۔ مریضوں کو یہ محسوس ہوتا کہ وہ شفا بخش سیال اس چھڑی سے ان کے جسم میں منتقل ہو رہا ہے، اور ان کی تکلیفوں میں لحظہ بلحظہ تخفیف اور کمی ہوتی جا رہی ہے!

قوت شفا بخشی!

اس کے بعد مسمر نے اس راز کو محسوس کیا کہ شفا بخش قوت کا سرچشمہ اس چھڑی میں نہیں ہوتا جسے وہ پکڑے ہوتا ہے، بلکہ خود اس کے ہاتھ ہی میں ہوتا ہے، اس لئے اس نے اپنے طریقۂ علاج میں تبدیلی کی، اب وہ مریض کو صرف چھو دینے پر اکتفا کرنے لگا، وہ نرمی کے ساتھ اپنا ہاتھ مریض کے شانے سے بازو تک پھیرتا اور مقام درد کے آس پاس ایک نقش سا بنا دیتا تاکہ اس حصے کو باقی جسم سے ممتاز رکھا جا سکے۔ اس طرح اس نے قدما کی اس عادت کو دوبارہ زندہ کیا جو فسبازیان شہنشاہ روما سے قرون متوسطہ کے بادشاہوں تک رائج تھی، ساتھ ہی اس نے اس عادت کا علمی نام بھی رکھ دیا۔ یعنی "حیوانی مقناطیسیت" بعد کے تجربہ سے مسمر نے محسوس کیا کہ چھونا یا مس کرنا بھی چنداں ضروری نہیں،

صرف یہ ارادہ کافی ہے کہ وہ شفا بخش سیال کو اپنی جانب سے مریض کی جانب منتقل کر رہا ہے، چنانچہ اس ارادہ سے کام لے کر وہ کہتا

"اے درد پیچھے کی طرف!"

اور درد دور ہو جاتا!

مسمر کا عقیدہ!

پہلے زمانہ کے لوگوں کی طرح مسمر کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ طاری کی ہوئی فینڈ بیماری سے شفا دیتی ہے، اور شفا بخش سیال کے ذریعہ ہر قسم کے درد کو کھینچ لینا ممکن ہے، اسی عقیدہ کے مدنظر وہ اپنی مخصوص روحانی اور آسمانی قوت مریض کے جسم میں داخل کرتا، اور فوراً ہی مریض پر تشنج کا دورہ پڑنے لگتا۔ مریض مقناطیسی چھڑی کے اردگرد جمع ہو جاتے یا لیٹ جاتے تاکہ اس کا ہاتھ انھیں مس کرے، یا پھر مریض مسمر کے ساحرانہ الفاظ سننے لگتے یہاں تک کہ تشنج ہونے کے بعد وہ سو جاتے اور تھوڑی دیر کے بعد جب بیدار ہوتے تو محسوس کرتے کہ بیماری زائل ہو چکی ہے!

مسمر کا فروغ!

تھوڑے ہی دنوں میں مسمر کا آفتاب شہرت نصف النہار پر پہنچ گیا، امرا کے طبقہ میں خاص طور پر وہ بہت زیادہ مقبول ہوا۔ میری انٹوانیٹ، پرنس ڈی کونڈہ وغیرہ اشخاص جب اس سے ملاقات کرنے میں کامیاب

ہوتے تو اپنے آپ کو سب سے زیادہ خوش نصیب شمار کرتے، لا فائٹ بھی ان لوگوں میں سے تھا جو مسمر کو بے حد محسوس کرتے تھے، جب مسمر امریکہ پہنچا تو لا فائٹ نے واشنگٹن میں چلا کر کہا:

"جو شخص اس وقت جہاز پر آرہا ہے وہ اہل امریکہ کے لئے ہتھیاروں اور اسلحہ سے کہیں زیادہ بیش قیمت تحفہ لایا ہے"

امریکہ کے لوگ اس کے گھر کو جو برن مارٹر میں تھا صبح سے گھیرے رہتے تھے اور اس کے باہر نکلنے کے انتظار میں رہتے تھے، تاکہ اس کے شفا بخش سیال سے استفادہ کر سکیں یا کم از کم اس کے ملبوس کے گوشے ہی کسی طرح چھونے کو میسر آجائیں' ایں ہم غنیمت است'!

جب مسمر نے یہ دیکھا کہ اسے اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ اپنے کثیر التعداد عقیدت مندوں یا مریضوں کو خوش رکھ سکے، کیونکہ چھڑی یا ہاتھ کے لمس، اور ساحرانہ الفاظ سے بھی یہ مقصد بدرجۂ اتم پورا نہیں ہوتا تھا تو اس نے لکڑی کا ایک ڈبہ بنایا، جس میں مقناطیسی سیال سے بھری ہوئی شیشیوں کی دو قطاریں تھیں، ان کے درمیان فولاد کی ایک چھڑی تھی جس میں چھوٹی چھوٹی متحرک کھپچیاں لگی ہوئی تھیں، جن کے گوشوں کو مریض کے ماؤف اور متاثر مقام پر پھیرا جا سکتا تھا، اس ڈبہ کے گرد خضوع و خشوع کے ساتھ مریض جمع ہو جاتے تھے اور جو مقناطیسی قوتیں ابھر کر ان چھوٹی کھپچیوں پر جمع ہو جاتیں، انھیں چوستے، یہ طریقہ بہت مقبول ہوا، اور تیزی کے ساتھ

رواج عام اس نے حاصل کر لیا، لوگوں کو اس طریقہ سے مانوس ہونے میں دیر نہ لگی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ امرا اور اکابر کئی کئی دن پہلے ہی سے اپنی نشستیں اس ڈبہ کے ارد گرد محفوظ کرا لیتے تھے، لوگ بجائے اس کے کہ اپنے دوست احباب کو دعوت دے کر تھیٹر وغیرہ لے جائیں، اس ڈبے کے گرد بیٹھنے اور کرشمۂ قدرت سے فیض دکھانے کی دعوت دیا کرتے تھے،

مقناطیسی قوت!

کچھ عرصہ بعد مسمر نے محسوس کیا کہ یہ ڈبہ بھی ناکافی ہے، کیونکہ طالبان علاج کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا، آخر اس نے اپنا گھر چھوڑا اور باہر نکل کر پانی کے حوضوں، گھاس، بوٹیوں، درختوں، باغوں، جنگلوں، اور طبیعت کی پیدا کی ہوئی مختلف چیزوں کو مقناطیسی قوت سے متاثر کرنا شروع کیا۔ اب یہ عالم ہوا کہ لوگ حوضوں کے پانی میں غوطے لگاتے، گھاس اور سبزے پر لیٹتے، درختوں پر چڑھتے، ان کی شاخوں پر جھولتے اور شفا کی مبارک و مسعود گھڑی کا انتظار کرنے لگتے،

جب کبھی مسمر اپنے وسعت پذیر علاج میں سہولت کا کوئی طریقہ اختیار کرتا، تو لوگوں کے غیر معمولی ہجوم کے باعث پھر اس میں کسی نئی تبدیلی کی بہت جلد ضرورت محسوس ہوتی اس طرح ہوتے ہوتے یہ نوبت پہنچی کہ وہ آئینہ استعمال کرنے لگا، اور اس کے ذریعہ شفا بخش سیال منتقل کرنے لگا، لوگ آئینے کے سامنے سے گزرتے، جس میں ان کے چہروں کا

عکس پڑتا، اور یہی آئینہ انھیں صحت اور شفا کی نعمت سے مالامال کر دیتا،

بڑی مشکل!

چھڑی پھیرنا، ہاتھ کا لمس، پھر کلام، پھر ڈبہ کا استعمال، آخر میں حضرات گھاس پھونس اور درختوں اور بالکل آخر میں آئینہ کی وساطت، یہ مختلف کڑیاں ہیں جو مسمر نے اپنے علاج کے سلسلہ میں استعمال کیے اور برتے، لیکن ان سارے وسائل کے اختیار کرنے کے بعد بھی مسمر کی مشکل آسان نہیں ہوتی، اس کی شہرت اتنی دُور دُور پہنچ گئی تھی، اور لوگوں کی توجہ اس سُرعت سے اس کی طرف مبذول ہوتی جاتی تھی کہ آسانی سے اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ تھی کہ اسے بار بار نئی ترکیبیں وضع کرنا پڑتی تھیں، اور نئے نئے طریقے اختیار کرنا پڑتے تھے، ایک روز اس نے سوچتے سوچتے کہا:

"موسیقی کے جن آلات کو مقناطیسی قوت سے متاثر کر دیا جائے ان سے خارج ہونے والی آواز ازالہ درد و الم کے لیے بالکل کافی ہے ——!"

پیرس کے جلسے

اب پیرس میں موسیقی کے جلسے منعقد کیے جانے لگے، جن میں نزدیک اور دور کے سب چھوٹے بڑے لوگ شریک ہوا کرتے!

ان تمام کامیابیوں کا بدیہی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مسمر کی تونگری بہت

زیادہ بڑھ گئی، اس کی دولت میں بہت زیادہ بلکہ بے حد و حساب اضافہ ہو گیا۔ مسمر کی تونگری کا ایک راز یہ بھی تھا کہ امرا کا طبقہ غریبوں کے پہلو بہ پہلو علاج کرانے کو اپنی شان امارت کے خلاف سمجھتا تھا، مسمر ان کی اس کمزوری کو سمجھتا تھا وہ بڑی گراں قیمتوں پر اپنے بنائے اور برتائے ہوئے ڈبے ان کے ہاتھ فروخت کرتا وہ ایک ایک ڈبے کی قیمت سو سو اشرفی وصول کرتا۔ یہاں تک کہ مادام دہ باری کو مسمر کی طمع اور حرص اور اس کے آلات کی ہوش ربا گرانی کے خلاف زبان شکایت کھولنا پڑی حالانکہ وہ اس "جادوگر" کی بہت زیادہ معتقد تھی!

مسمر کو یہ قدرت بھی اپنے فن کی بدولت حاصل تھی کہ وہ داستانوں اور کہانیوں کے جنوں کی طرح جب، جہاں اور جس مکان میں چاہے پہنچ جائے مسمر نے جو کامیابیاں اب تک حاصل کی تھیں ان پر قناعت نہیں کی، اس کی کوشش بھی کی کہ اس قوت کو صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لے، چنانچہ اس نے دعوے کیا کہ ڈبوں، حوضوں، درختوں اور گھاس پھوس وغیرہ اشیا میں وقتاً فوقتاً مقناطیسی قوت کی تجدید لازمی ہے، ورنہ ان کی افادیت رائگاں چلی جائے گی، اور اثر زائل ہو جائے گا، اس دعوے نے مسمر کے عقیدت مندوں میں ہلچل پیدا کر دی، اور وہ فکر مند ہو گئے، وہ حیران اور پریشان ہو ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھتے تھے، اور ایک دوسرے سے بار بار پوچھتے تھے، جب مسمر اس دنیا میں سے رخصت ہو جائے گا، تب کیا ہو گا؟

ہمراز بنانے پر اصرار

لوگوں کے اس قلق و اضطراب کو خود حکومت نے بھی محسوس کیا، اس نے مسمر کو اس پر راضی کرنے، بلکہ مجبور کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے علم و فن کا راز اپنی ذات ہی تک محدود نہ رکھے بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی ہمراز بنا لے، اور جو کچھ خود جانتا ہے انھیں بھی سکھا دے، تاکہ قوم اس کے جاری کیے ہوئے فوائد سے محروم نہ رہے، اس سلسلہ میں حکومت نے چالیس ہزار اشرفیاں سالانہ کی پیش کش مسمر کو کی، اور اس سے اپیل کی کہ وہ اپنے راز کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ عام کر دے تاکہ قوم اس سے پورا پورا فائدہ اس کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد اٹھا سکے!

مگر مسمر کو اپنے منفعت بخش پیشہ سے جو غیر معمولی آمدنی تھی، وہ چالیس ہزار اشرفیوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھی، لہٰذا وہ لالچ میں تو نہیں آیا۔ البتہ خوب سی دولت کما لینے کے بعد ایک نئی تمنا اس کے دل میں ابھر رہی تھی، یہ کہ اسے ایک مضبوط علمی مقام حاصل ہو جائے، اور وہ پائدار اور عالمگیر شہرت کے چمنستان میں داخل ہو جائے اس لیے اس نے حکومت کی پیش کش اس شرط کے ساتھ منظور کی، کہ میڈیکل اکیڈمی اس کی خدمات اور مہارت فن کا اعتراف کرلے، اگر اس مقصد کا حصول بہت دشوار اور کٹھن تھا: لوئی شانزدھم

شہنشاہ فرانس نے میڈیکل اکیڈمی سے فرمائش کی کہ علمی اور عملی حیثیت سے وہ مسمر کے طریقے کا امتحان لے !

اکیڈمی کے ارکان جمع ہوئے ، ان لوگوں میں اس حیات کش آلے (گلوٹین) کا موجد کلیوٹن بھی تھا ، جس کی دھار نے بعد میں لوئی شانزدہم کا سر قلم کیا ، اپنے وقت کا سب سے زیادہ مشہور ماہر کیمیا لاوازمیہ بھی حاضرین میں موجود تھا ، بنجامن فرینک لین بھی حاضر تھا ، یہ وہ شخص تھا جس نے لائٹننگ پروٹیکٹر (برق گیر آلہ) ایجاد کیا تھا ، ان سب لوگوں کے بحث و مباحثہ ، غور و فکر اور امتحان و تجربہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسمریزم (مسمر کا طریقہ علاج) ایک غیر علمی طریقہ ہے ، جس کا اعتراف میڈیکل اکیڈمی کے شایان نہیں !

مسمر کی برہمی !

اس فیصلہ سے مسمر بہت برہم ہوا ، اس نے پیرس کو چھوڑ دینے کی دھمکی دی ، اس خبر سے انٹوانیٹ بہت گھبرائی اور اس نے مختلف طریقوں سے مسمر کو راضی کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنا ارادہ بدل دے ، پیرس کی اقامت ترک کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے مگر کوئی کوشش بھی کارگر نہیں ہوئی ، مسمر اپنے فیصلہ اور ضد پہ اڑا رہا ، اس کا فیصلہ اٹل تھا ، پھر پیروان مسمر نے ایک بہت بڑی رقم آپس میں چندہ کر کے جمع کی تاکہ عین میڈیکل اکیڈمی کے بالکل رو برو

اور آمنے سامنے مسمری مجلس کے لیے ایک بڑی اور شاندار عمارت تیار کی جائے ،

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا ، ادھر ایک خوں ریز ، ہولناک ، اور لرزہ خیز انقلاب کا طوفان ، فرانس کے دروازے پر دستک دے رہا تھا ، تشدد اور دہشت انگیزی کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا مسمر کے بہت سے حامی اور مداح جو ہمہ وقت اس کے گن گایا کرتے تھے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیے گئے ، حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ اراوی طور پر نہیں مجبور اور مرعوب ہو کر خود مسمر کو بھی فرانس کی سرزمین سے رخت سفر باندھنا پڑا ، اس نے سب سے پہلے وائنا جانے کا ارادہ کیا ، جہاں سے اس کی شہرت کا ستارہ طلوع ہوا تھا ، لیکن شہنشاہ کی حکومت نے اس ڈر سے اسے قید کر لیا کہ مبادا یہ شورش اور بغاوت کا پیامبر ہو ، اور ہماری بادشاہی کا تختہ الٹنے کے لئے آیا ہو ، دو مہینے تک مسمر کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں زندگی گزارنی پڑی ، پھر کہیں جا کر اسے رہائی نصیب ہوئی ، اب وائنا میں مسمر کا جی نہ لگا اور وہ یہاں سے بھی کہیں اور جانے کے لیے پر پھڑپھڑانے لگا ، اور آخر ایک روز اپنے نادبوم مرسبرگ کی طرف واپس ہو گیا ، یہ وہ زمانہ تھا کہ حوادث اتنی تیزی اور سرعت کے ساتھ پے بہ پے رونما ہو رہے تھے کہ لوگوں کو کسی کی نسبت کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا ، خواہ وہ مسمر کا سا حیرت انگیز جادوگر اور ساحر ہی کیوں نہ ہو !

مسمر کی ناکامی!

آخر انجام یہ ہوا کہ جس تیزی سے یہ شخص اوج شہرت پر پہنچا تھا، اسی طرح سُرعت کے ساتھ اسے پستی میں اور گمنامی کے گڑھے میں گرنا پڑا، اس واقعہ کے بعد بیس سال تک مسمر زندہ رہا، لیکن اس کی زندگی موت کا مشغلہ تھی۔ یہ طویل مدت اس حالت میں گزری کہ لوگوں نے اسے یکسر فراموش کر دیا، وہ گمنامی، بے بسی اور کس مپرسی کے عالم میں زندگی کے دن برے بھلے کاٹنے لگا اور آخر اسی حالت میں ایک روز موت کا پنجہ اس کی طرف بڑھا، اور اس کی روح کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا!

لیکن کیا مسمر کے ساتھ اس کا فیض بھی ختم ہو گیا؟

اس کا کمال بھی جاتا رہا؟

اس کا راز بھی مر گیا؟ ——————— ؟

باب (۵)

مسمر کا راز!

فرانس کا انقلاب ایک عجیب و غریب حادثہ تھا، یہ طوفان بنکر آیا۔ آندھی بن کر چھا گیا، اور سیل بلا بن کر بہت کچھ اپنے ساتھ بہالے گیا'!

ہزاروں آدمی اس انقلاب کی نذر ہو گئے، امیر غریب ہو گئے، غریب امارت کے درجہ پر فائز ہو گئے، بڑے بڑے لوگوں کے نصیب میں پھانسی کا تختہ آیا، جن کی زندگی ناز و نعم اور عیش و عشرت میں بسر ہوئی تھی انھیں جیل کی کوٹھری میں زندگی بسر کرنی پڑی، جو طرح طرح کے لذیذ کھانوں کے خوگر تھے انھیں فاقے کرنے پڑے، روکھی سوکھی کھا کر خدا کا شکر ادا کرنا پڑا!

انقلاب فرانس!

غرض اس انقلاب نے فرانس کے سارے نظام حیات کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا، اس کی ساری عمارت اپنی جگہ سے ہل گئی، انقلابی حوادث کے بس میں یہ تو تھا کہ وہ اس عجیب و غریب شخص کو اپنے ذہن مدماغ کے گوشے سے باہر نکال پھینکے، لیکن یہ ناممکن تھا کہ لوگ

بیمار ہی نہ پڑیں، دُکھ اور درد، آزار اور روگ کا سلسلہ ہی بند ہو جائے
بیماری انسان کی پرانی رفیق ہے، وہ مسمر کے ان کرشموں سے نہیں
بھلائی جا سکتی تھی، نہ انقلاب و حوادث کی نذر ہو سکتی تھی، اتنا بڑا انقلاب
آ چکا تھا، لوگ حواس باختہ تھے، کسی کو سر و پا کا ہوش بھی نہیں تھا
عین اس وقت ہنگامۂ کارزار میں ایک جواں ہمت اٹھا، یہ مسمر کا
ایک باکمال شاگرد تھا، اس نے مسمر کے راز کو ضائع ہونے سے بچا لیا
اس کے علم کو زندہ رکھا، اس کے فن کی تجدید کی، اور اس کے طریقۂ علاج
کو رنے سے بچا لیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کاؤنٹ پوسیگور[1] اپنے باغ کے
اندر ایک درخت کو مقناطیسی قوت سے برتایا کرتا تھا، بہت سے
مریض اور کسان اس کے پاس شفا کی طلب میں آتے رہتے تھے، ایک
دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک چرواہا جس کی عمر ۲۳ سال تھی، اس درخت
کے نیچے آ کر کھڑا ہوا، اسے رسّی کے ذریعہ درخت سے باندھ دیا گیا،
جب کاؤنٹ کو شکار کرتے کرتے دیر ہو گئی، اور اس جوان نے کوئی
بات محسوس نہ کی، تو کاؤنٹ نے اس کے جسم پر کئی بار ہاتھ پھیرا تا کہ
اسے جلد شفا ہو جائے۔ اب کاؤنٹ نے دیکھا کہ چرواہے پر گہری نیند
طاری ہو گئی، اس نے فوراً حکم دیا کہ اس نوجوان کی رسیاں کھول دی
جائیں اور اسے جگا دیا جائے، لیکن وہ اچھی طرح بیدار نہ ہوا، اور باغ

(۱) Puysegur

میں ٹہلنے لگا، اس وقت اس کی آنکھیں بند تھیں، وہ مدہوش سا نظر آرہا تھا، کاؤنٹ اس کے پیچھے پیچھے چلتا تھا، جب بھی وہ کوئی حکم دیتا، نوجوان بے چون وچرا اس کی اطاعت کرتا،

اس طرح جو پردہ مقناطیسی نیند پر پڑا ہوا تھا، اتفاقی طور پر اٹھ گیا اور یہ بات واضح ہوگئی کہ مقناطیسی قوت کے ذریعہ ایسی شفا بخش نیند طاری کرسکتا ہے جو پہلے مہلک نباتات کی طرف منسوب کی جاتی تھی!

مسلسل تجربات

ابتدا میں کاؤنٹ اس واقعہ سے بہت حیران ہوا اور اس واقعہ کو کسی کے سامنے بیان کرنے کی ہمت بھی اس میں نہ ہوئی، لیکن جب اس نے اس تجربے کو بار بار دوہرایا اور ہر تجربہ میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، تب اس نے جاکر پبلک طور پر اپنے تجارب کے سلسلہ میں دنیا کو "انتقال نومی[1]" (سوتے میں چلنا پھرنا) کی حقیقت سے دنیا کو باخبر اور واقف کیا!

رفتہ رفتہ کاؤنٹ کے اس اکتشاف کی خبر فرانس کی سرحد پار کرکے مسمر کے کانوں تک پہنچی جو ابھی تک زندہ تھا، اور گوشہ گیری کی زندگی بسر کررہا تھا، مسمر نے اس خبر پر کوئی توجہ نہ کی، نہ یہ سمجھنے کی کوشش کی، اس کے ایک شاگرد نے مسمریزم میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔

---

(۱) Somnamhunsn

اب سوتے میں چلنے کی بیماری، نقل محفل بن گئی، جا بجا اس کے تذکرے ہونے لگے، آخر سوئٹزرلینڈ میں لافائر نے کاؤنٹ کی حمایت اور تائید میں تحریک شروع کر دی، اور اس دریافت کو وقت کی سب سے بڑی دریافت کا لقب دیا، پھر جرمنی کے علما اور حکما نے بھی اس طرف توجہ مبذول کی، اور ہر شہر میں اطبا اس مصنوعی یا طاری کی ہوئی نیند سے کام لینے لگے اور علاج معالجہ کے سلسلہ میں اسے اچھی خاصی اہمیت حاصل ہو گئی،

فن جراحت نے بھی اس نیند کے فائدوں سے محرومی گوارا نہ کی، چنانچہ "بیران فوبل" نے سب سے پہلے اس طریقہ کو اعمال جراحی میں استعمال کیا، پھر سرطان کے ماہر خصوصی رکامہ نے اس کی پیروی کی، پروفیسر کلوکہ نے بھی اس کا اتباع کیا، اور دوسرے بڑے بڑے طبیبوں اور ڈاکٹروں نے بھی جب اس کی افادیت محسوس کر لی تو اس کا استعمال شروع کر دیا +

تنویم کی ابتدا!

جراحیات میں تنویم (نیند طاری کرنے) کا قلعہ شہر اومبرگ تھا، جس میں وہاں کے دو اطبا پاٹسن اور جیمس اسرائیل نے اس کا علم بلند کیا، پاٹسن انگلستان کے مشہور ترین ڈاکٹروں میں سے تھا، اور مشہور ناول نگار ڈکسن کا یار غار، اس نے دیکھا کہ یہ اکتسابی نیند درد یا تکلیف کم کرنے کا قریب ترین اور بے ضرر وسیلہ ہے، اور مشہور خواب آور ادویہ کے مقابلہ میں یہ طریقہ سب سے زیادہ کامیاب، کارگر اور

موثر ہے ، اس کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ایک تاریک کمرے میں مریض کو آرام کے لئے چھوڑ دیتا پھر اپنے دونوں ہاتھ جسم کو مس کیے بغیر اس پر سے گزارتا ، پھر کئی بار اس کے منہ پر پھونک ڈالتا ، ایک گھڑی بھی نہ گزرنے پاتی کہ مریض پر نیند کا غلبہ ہوتا اور وہ سو جاتا ، اس حالت میں بغیر ذرا سی بھی تکلیف کے عمل جراحی کامیابی کے ساتھ انجام دے لیا جاتا ، مریض کی نیند (یا بیہوشی) اتنی گہری ہوتی کہ وہ ذرا بھی اذیت نہ محسوس کرتا ، لیکن ڈاکٹر پالشن اپنی اس کامیابی کے باوجود اپنے رفیقوں کے بغض وحسد اور سرکاری آدمیوں کی عداوت سے محفوظ نہ رہ سکا ، آخر اس غریب کے خلاف زبردست تحریک اٹھی ، اور یہ اس وقت تک جاری رہی جب تک اس نے لندن یونیورسٹی کے شعبہ طبابت سے استعفا نہ دے دیا !

اب اسدائل کی کہانی سُنیے :-

اسدائل نے اس طریقہ کو برتنے اور کامیاب بنانے کے سلسلہ میں ہندوستان کا سفر کیا ، ہندوستان میں اس کے فروغ کے بڑے امکانات تھے ۔ اس لیے اس کا استعمال بڑی سرعت کے ساتھ عام ہوگیا ، بعض قبائل میں تو اس کی پرستش تک ہونے لگی ، یہ کلکتہ سے کوئی تیس میل دور رہتا تھا ، کچھ عرصہ بعد اس علاقہ کا حاکم اس پر مہربان ہوا ، اور حکومت نے ۱۸۴۶ء میں اس کے لیے ایک خاص دواخانہ تعمیر کرا دیا ، جہاں وہ آزادی اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اپنے فن کو رواج دینے کی سرگرمیوں میں

مصروف و منہمک ہوگیا!

لوگوں کا اعراض

اس زمانہ میں یورپ کے اطبا ہر اس چیز سے کوسوں دور بھاگتے تھے جس کا مسمریزم سے ذرا سا بھی تعلق پایا جاتا ہو، صرف چند آدمی ایسے تھے جن میں پیرس اور ادمبرگ کی لائنوں پر چلنے کی جرأت موجود تھی، جب اسد ائل کے حالات پھیلے اور اس کی کامیابی کی خبر عام ہوئی تو رسمی طب اس پر مجبور ہوئی کہ ان خبروں کی حقیقت کو پرکھے، مگر جو عجیب و غریب باتیں ہندوستان میں جنم لیتی رہتی ہیں یورپ اور امریکہ میں ان کا اعادہ نہیں ہوتا، اس لیے نہ ڈانا کا سرجن شوکمار[1] کوئی نتیجہ نکال سکا، نہ فرانس کا سرجن نیلاٹن[2]!

اسی طرح امریکی ماہر جراحت "وارن[3]" بھی کوئی موافق رائے نہ اخذ کر سکا، اس نے تنویم مقناطیسی کی نسبت یہ حکم لگایا کہ اس سے نشتر کی تکلیف دور نہیں ہوسکتی، اور جو باتیں اس کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں محض بے اصل اور سراسر دروغ بے فروغ ہیں، آخر ہندوستانی حکومت نے اس دباؤ سے مرعوب اور متاثر ہوکر جو امداد ڈاکٹر اسد ائل کی جاری کر رکھی تھی وہ بند کردی، اور کلکتہ کے قریب جو شفاخانہ خاص اس کے

---

(۱) Shokmayer (۲) Nelaton

(۳) Warren

تجربہ اور عمل کے لیے حکومت نے بنوایا تھا، اس کے دروازوں پر بھی تالا لگا دیا گیا، کیونکہ اب حکومت کسی طرح بھی اس کی سرپرستی نہیں کرنا چاہتی تھی!

حکومت کی بدنیتی!

ہندوستان کے باشندے حکومت کی بدنیتی کو بھانپ چکے تھے، اس موقع پر وہ تین سو آدمی جنھوں نے اسد ائیل کے ہاتھوں سے اس کے خاص طریقۂ علاج کے ماتحت شفا پائی تھی جمع ہوئے، انھوں نے حاکم کے محل پر مظاہرہ کیا، اور جب ایوان حکومت تک ان کی آواز نہ پہنچ سکی اور صدا بصحرا ثابت ہوئی تو انھوں نے خود کمر ہمت باندھی، اور باہمی طور پر صلاح و مشورہ کے بعد خاصی رقم چندہ کے طور پر جمع کر لی، اور ڈاکٹر اسد ائیل کے تجربہ، عمل اور کارگذاری کے مظاہرہ کے لیے، ایک ہسپتال تعمیر کر کے دم لیا +

مسلسل حملے!

مگر ڈاکٹر اسد ائیل کو سکون اب بھی نہ ملا، کلکتہ کے انگریزی اخبارات اس پر پیہم اور مسلسل سنگ باری کر رہے تھے، اس کے سینے پر تیروں کے وار پے بہ پے ہو رہے تھے، وہ غیر منقطع طور پر حوادث، اختلاف اور سب و شتم کا نشانہ بنا ہوا تھا، ان اخبارات نے اسے بدنام اور

رسوا کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، انھوں نے اسے جھوٹا، مجلیا، مجنون اور دیوانہ تک مشہور کر دیا، انھوں نے اس پر طرح طرح کی مکروہ اور ذلیل تہمتیں لگائیں، ایک طرف یہ سارا شور و شر اور ہنگامہ تھا، دوسری جانب وہ ہندوستانی تھے جو اپنے مشاہدہ اور تجربہ کے باعث اس کے مداح اور گرویدہ اور ثنا خواں تھے، جو اس کے خلاف ایک بات بھی نہیں سننا چاہتے تھے، جو اس کی حذاقت اور کمال فن پر ایمان لا چکے تھے!

ڈاکٹر اسد ائیل کے خلاف صرف انگریزی اخبارات ہی نہ تھے، وہ ڈاکٹر بھی تھے، جو اپنی کامیابی کو مٹتا ہوا دیکھ رہے تھے، اپنی شہرت کے چاند کو گھٹتا ہوا پا رہے تھے، اپنی حذاقت کے طبل بلند بانگ در باطن ہیچ کی کمزوری محسوس کر رہے تھے، میڈیکل کالجوں کے اسٹاف نے بھی ڈاکٹر اسد ائیل کے خلاف خوب زہر اگلا، مقصد اس ساری ہنگامہ آرائی کا یہ تھا کہ ان کی شہرت کا دامن داغدار نہ ہو، اور ڈاکٹر اسد ائیل کی شہرت ختم ہو جائے، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے؛ انھیں ناکام ہونا پڑا!

باب (۶)

بیماری سے جنگ

مسمر کے عجیب و غریب علاج کو وجود میں آئے نصف صدی گزر چکی تھی!

بیماری اور دُکھ کا وجود دنیا میں اب تک قائم تھا،

اور اس دکھ درد کے تدارک اور مداوا کے سلسلہ میں گھاس پھوس دھاتیں اور تنویم مقناطیسی سب کے سب بے بس ثابت ہو چکی تھیں، ادھر اس مدت میں علم کیمیا نے خاصی وسعت پیدا کر لی تھی، اور ناواقف دنیا کے لیے گیس کی ایجاد سے معلومات اور تجربہ کا ایک بالکل نیا اور اچھوتا باب کھل گیا تھا، سب سے پہلے اس کی ابتدا ایک انگریز پادری نے کی، جو شہر لیڈس کا رہنے والا تھا، اور جس کا نام پرسٹلے[1] تھا!

دلچسپ قصّہ!

اس شخص کا قصہ بجائے خود بہت عجیب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر معمولی قسم کے ذہین اور فراست رکھنے والے لوگوں کو کیسے کیسے ناروا جبر و تشدد سے سابقہ پڑتا ہے، اور جب کوئی نئی حقیقت ظہور میں

---

(1) Priestley

آتی ہے، تو کیسی کیسی مخالفتیں عالم وجود میں آتی ہیں، اور "قدیم" کے مقابلہ میں "جدید" کو پیش کرنے والے کا جرم کس درجہ ناقابل معافی تصور کیا جاتا ہے،

پرسٹلے، بشپ کے منصب پر فائز تھا، اور لوگوں کا شادی بیاہ کرنے اور بپتسمہ دینے کے فرائض ادا کیا کرتا تھا، ہر اتوار کے دن ممبر پر کھڑا ہوتا، اور قوم کے سامنے دلچسپ اور اثر انگیز لہجہ میں وعظ و تلقین کے دریا بہا دیتا!

یشپ کے مکان سے بالکل قریب، بیر (شراب کی ایک قسم) کشید کرنے کا ایک کارخانہ تھا۔ یہ وقتاً فوقتاً اس پر غور سے نظر کرتا ہوا گزرتا رہتا تھا، شراب کی سطح پر جو بلبلے اُٹھتے نظر آتے ان پر اس کی توجہ خصوصیت کے ساتھ مبذول رہتی، یوں تو ان بلبلوں کو بہتوں نے دیکھا لیکن انھیں ہوا کے معمولی حبابوں سے زیادہ وقعت نہ دی، مگر پرسٹلے کا دل اس معمولی توجیہہ سے مطمئن نہ ہوا، اس نے صرف نظارہ پر اکتفا نہ کیا، بلکہ وہ اس کا بھید معلوم کرنے کے درپے ہوگیا۔ وہ نظارہ کے ساتھ ساتھ مطالعہ اور تحقیق میں برابر مصروف رہا، یہاں تک کہ گیس کی دنیا اس پر منکشف ہوئی، اور آخر وہ مائٹروجن اور ہائیڈروجن گیس کے دریافت کر لینے میں کامیاب ہوگیا!

نئی رہبری!

اس موقع پر ان واقعات کی تشریح نہ کی جائے گی کہ پرسٹلے نے

آکسیجن سے کیسے کام لیا، اور خود اپنے اوپر ان گیسوں کے اثرات اور کیفیات کو کیونکر آزمایا، کیوں کہ پھر یہ بحث بہت طولانی ہو جائے گی، یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ معدہ کی راہ سے ادویہ کو جسم میں داخل کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے، کیونکہ نباتات میں دوا کی خوراک کو محدود کرنا، اور پھر اس دوا کی خوراک کو معدہ کا جذب کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا، اس لیے پرسٹلے نے اطبائے وقت کی رہبری ایک نئی چیز کی طرف کی!

وہ نئی چیز کیا تھی؟

ناک کے ذریعہ دوا کو چڑھانے کا طریقہ ——— !

یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب دنیا نے بڑے بڑے ملکوں اور سوسائٹیوں میں زبردست انقلابات پیدا کرائے تھے اور تجدید و تغیر کی روح، جدوجہد کے تمام میدانوں میں دوڑ رہی تھی، صنعت ہو یا مذہب، روح ہو یا جسم، علم ہو یا فن، ہر میدان میں یہ روح کارفرما نظر آ رہی تھی کسی خاص طبقہ یا عنصر کی تخصیص نہ تھی،

آدم اسمتھ اور برگ سے اپنی معرکہ آرا کتاب "تبادلی حرارت" شائع کر چکا تھا، کلیسائے انگلستان کے متبع اور پیرو مذاہب حقوق انسانی کے مسئلے پر اختلاف و افتراق اور انتشار کا نشانہ بنے ہوئے تھے، ہوم منسٹر کے مجوزہ اصلاحات پر خوب لے دے پارلیمنٹ میں ہو رہی تھی، مخالفین اور احرار کے درمیان جنگ زور شور سے

جاری تھی، فرانس کے دروازے تک انقلاب اور شورش کا سرپٹک طوفان امنڈ امنڈ کر لہریں لیتا ہوا پہنچ چکا تھا؛ انگلستان اس کوشش میں سرگرم تھا کہ اپنے یہاں کے نظم ونسق کی اصلاح کر کے حالات کو سدھار لے، انقلاب کی گردش سے بچ جائے اور حریت پرستوں کو آزادی رائے امکانی حد تک عطا کر دے!

نئی انجیل!

اس زمانہ میں انگریز دو گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے:

(۱) قدامت پسند یا محافظین

(۲) جدت پسند یا لبرل

ان لوگوں نے انسانی حقوق کی ایک نئی انجیل تصنیف کر ڈالی تھی، بشپ پرسٹلے بھی تجدید و انقلاب کے لیڈروں کی صف اول میں تھا، وہ میدان میں آیا، اس نے کچھ عرصہ کے لیے اپنے معمل (تجربہ گاہ) سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور لوگوں کو موسم جمہوریت کے عہد بہار کی آمد آمد کی بشارت دینے لگا، اس کار اہم کے لیے جتنا زور خطابت درکار تھا، وہ اسے قدرت نے عطا کر رکھا تھا، اس جوہر کو اس نے بڑی خوبی اور کمال کے ساتھ استعمال کیا، وہ بہت جلد ایک آتش نوا خطیب اور ایک انقلابی لیڈر بن گیا؛ اس کی تقریروں نے سارے ملک میں آگ لگا دی، اور عوام میں ایک

خاص قسم کا جوش وخروش پیدا ہوگیا۔ آخر باسٹل کے سقوط نے سارے انگلستان میں شورش کا ایک نیا ردّعمل پیدا کیا، جس کا نتیجہ ہوا کہ پرسٹلے کا شمار معتوبین حکومت میں ہونے لگا، اور اب جو پانسہ پلٹا تو حالت یہ ہوئی کہ لوگ پرسٹلے سے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح خارشت زدہ کتے سے بھاگتے ہیں، لوگ اس کے کلیسا کا دروازہ چھوڑ بیٹھے تھے۔ اس طرف سے گزرنا ترک کر دیا تھا، وہ ممبر پہ وعظ وتلقین کے لیے کھڑا ہوتا، لیکن سامعین میں کوئی نہ ہوتا۔ اس نے اس زندگی کو ترک کر کے پھر اپنے تجربہ گاہ کی طرف واپس ہونا چاہا، لیکن غضب ناک اور بپھرے ہوئے عوام نے اس کا موقع نہ دیا، اس کے گرجا میں آگ لگا دی، اس کے آلات توڑ دیئے، اس کی کتابیں شعلوں کا لقمہ بنا دی گئیں، اور آخر کار وہ اس پر مجبور ہوگیا کہ ترک وطن کرے، اور ان ستانے والوں کے شر سے محفوظ ہو کر کسی دوسرے پُر سکون گوشہ امن میں ڈیرا جمائے، فرانس اسے پہلے ہی سے اپنے ہاں دعوت اقامت دے چکا تھا، فرانس کی پیش کش اتنی وسیع تھی کہ وہ اس کے لیے ایک تجربہ گاہ بنانے پہ بھی تیار ہوگیا، فرانس کی اس قدردانی اور عزت افزائی سے پرسٹلے کے ہم وطن اس سے اور زیادہ متنفر اور بیزار ہوگئے، اس کے خلاف عداوت کی آگ اور زیادہ تیزی وتندی کیساتھ بھڑک اٹھی، اور لندن میں اس کا خون اس طرح مباح کر دیا گیا جیسے کسی ڈاکو یا قاتل کا!

ترکِ اقامت!

ان حالات نے پرسٹلے کو چین سے نہ بیٹھنے دیا، وہ رختِ سفر باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا، جہاں کہیں بھی جاتا، حالات ایسے رونما ہوتے کہ تھوڑے دنوں کے بعد وہاں سے بھی کوچ کرنا پڑتا، اب اس کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار باقی نہ رہ گیا کہ کسی دور دراز مقام پر جاکر پناہ لے، اور اس ہیجان مخالفت سے محفوظ رہے جس نے اس کی زندگی اجیرن کردی تھی، دن کا آرام حرام کردیا تھا، اور رات کی نیند برباد کردی تھی، سکون اور عافیت کا جب ایک لمحہ بھی اس کی قسمت میں نہ رہ گیا، تو اس نے تنگ آکر ارادہ کرلیا کہ امریکہ چلا جائے!

امریکہ اسے پناہ دینے پر آمادہ تھا!

امریکہ دل وجان سے اس کا خیر مقدم کرنے کو تیار تھا!

اور آخر کار وہ امریکہ چلا گیا!

امریکہ میں اس کی خوب آؤ بھگت ہوئی، فلاڈلفیا یونیورسٹی نے اسے پروفیسر رکھ لیا، مگر پے در پے حوادث، سفر کی مشقت، خاندان کی بربادی، ضعف ونقاہت اور سب سے زیادہ بڑھاپے نے اس کی صحت غارت کرکے رکھ دی تھی۔ لیکن وہ ہمت ہارنا نہ جانتا تھا اب بھی اس نے اپنا کام جاری رکھا، تحقیق ومطالعہ، اور تجربہ وآزمائش

کی دنیا میں ایک دفعہ وہ پھر پہنچ گیا، اس کی یہ نئی زندگی بے ثمر نہیں رہی، اس کی یہ نئی مصروفیت کارآمد ثابت ہوئی، تجربہ اور تحقیق میں خاصا وقت صرف کرنے کے بعد اس نے ایک اور نئی چیز دریافت کی؛ یہ تھی کاربن ڈائی آکسائڈ!

ایجادات کے ساتھ ساتھ اس کا علمی شغف بھی بدستور قائم تھا اس نے الہٰیات پر بعض گراں مایہ مقالات بھی تحریر کیے، لیکن عمر کا رہوار تیزی کے ساتھ موت کی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا، اب وہ پنسلفانیا کے مقام نارتھمبرلینڈ میں پہنچ گیا، اور یہاں عزلت نشینی کے دن گزارنے لگا،

مبارک دور!

اٹھارھویں صدی کا آخری حصہ بڑا مبارک اور مسعود زمانہ تھا، بعض لوگوں کے مقدر میں یہ بات قسامِ ازل نے لکھ دی تھی کہ وہ اس زمانہ میں کیمیا کے علم اور فن کو ترقی دیں، ایک نئی راہ نکالیں، اور اس فضیلت میں اپنے بعد آنے والے لوگوں کو شرکت حاصل کرنے کا موقع نہ دیں، ان مایہ فخر و ناز لوگوں میں اوّلیت کا سہرا وانڈیش کے سر رہا، پھر لاوازئر اور پرسٹلے نے اس میدان میں رہروی کی، اور بجائے خود ایک بہت بڑا نشانِ علم و فضل بن گئے - یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس قسم کے انقلابات کے موقع پر ماضی کی آواز کا اثر انگیز ہونا ضروری

اور ناگزیر ہے، تاکہ مستقبل کے شورِ شغب سے امتزاج پاکر آگے قدم بڑھایا جاسکے، یہی وجہ ہے کہ پرسٹلے کے نظریات و محکمات غلطیوں کے شائبہ سے خالی نہیں ہیں، بلکہ سچ پوچھئے تو وہ قدیم عقائد اور پیمبرانہ آرا کا ایک مرکب ہیں، اور یہ مرکب کامل اجزا سے ترتیب دیا ہوا نہیں ہے اس کے اجزا میں نقائص بھی ہیں، اور کوتاہیاں بھی!

اٹھارھویں صدی کا علم کیمیا اس احتراقی رائے سے برابر متاثر ہوتا رہا جس کا آغاز افلاطون کے عہد سے تعلق رکھتا ہے اس رائے کو سترھویں صدی میں اسٹال نے متعارف کیا تھا، اور اس نے نظریہ کے مطابق ہر جسم ——— خواہ وہ عضوی یا غیر عضوی ——— اسے احتراق کے وقت ایسا مادہ خارج ہوتا ہے جس کا وزن نہیں ہو سکتا، کیا نہیں جا سکتا، اس نے اس مادہ کا نام فلوجین رکھا تھا، اس میں شک نہیں کہ پرسٹلے کے اکتشافات سے منطقی نتیجہ نکالنے کا طریقہ معلوم نہ تھا، اس لیے اس کے کامل الفن اور یکتائے روزگار ہونے کے باوجود لوگ پورے طور پر اور صحیح طور پر اس سے استفادہ نہ کر سکے!

بیماری سے جنگ!

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علم اور کیمیا پرسٹلے کی نظر میں سوا وحی الٰہی کے کچھ نہ تھے تاہم وہ اپنی تحقیقات اور تجربات میں علمی طریقوں پر عمل کرتا تھا اور اسی نوع کی تحقیقات پر کیمیا کی بلند و بالا عمارت قائم ہوئی

اس بنیاد کو ہٹا لیجیے تو وہ عمارت بھی دھڑام سے زمین پر آ رہے گی!

جن لوگوں نے بیماری سے جنگ کی ہے، جب ہم ان کے حالات پر غور کرتے ہیں، اور وحشی جانوروں کی کھال اوڑھنے والوں، چیخ چیخ کر منتر پڑھنے والوں، اور دیوی دیوتاؤں کے سامنے ناچنے اور ڈفلی بجانے والوں مذہبی پیشواؤں، کاہنوں اور نجومیوں کے علاوہ پوستین پوش بادشاہوں کیمیاگروں، نیز اکسیروں، جڑی بوٹیوں اور مرہموں کے موجدوں، یہاں تک کہ اس قبیل کی عورتوں تک کے واقعات جب ہم نظر کے سامنے لاتے ہیں تو ہماری نگاہوں کے سامنے ساحروں اور مسحوروں کی عجیب و غریب تصویر کھنچ جاتی ہے، ان کی زندگی کا ہر ہر واقعہ، ان کا ہر ہر عمل، ان کا ہر ہر تجربہ، ان کی ہر ہر ایجاد اور ان کا ہر ہر نظریہ اپنے اندر عجائب و غرائب کی کیسی دنیا پوشیدہ رکھتا ہے، جس کا تصور دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی!

آخری کڑی!

اس لمبی زنجیر کی آخری کڑی مسمر ہے، یہ وہ شخص ہے جس نے ایک عرصہ دراز تک لوگوں کو اور ان کی عقلوں کو اپنے کرشموں میں مشغول رکھا، اس کے ختم ہوتے ہی نئی پود کے لیے ایک بالکل نیا راستہ کھل گیا، اس نئے راستے پر پرسٹلے نے سب سے پہلے قدم رکھا تھا، اس کا طرز عمل پچھلے لوگوں سے یکسر مختلف اور متضاد تھا، اس کی جدت کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ وہ خود اپنے اوپر تجربات کرتا تھا، خاص اپنی ذات پر ——!

پھر ان مشقتوں کی حد و نہایت محسوس کرتا جو ان تجربات کی روشنی میں اسے پیش آتی تھی، وہ اپنی ذات پر تجربہ کیے بغیر کسی نئی بات کا انکشاف نہیں کرتا تھا، اپنی ذات پر تجربہ کرنے کے لیے بعض وقت اسے جان جوکھوں میں ڈالنی پڑتی تھی۔ لیکن وہ اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا تھا علم اور سائنس کے لیے وہ ہر قربانی کے لیے ہمہ وقت اپنے تئیں تیار پاتا تھا، حتیٰ کہ اپنی ذات، اپنی جان تک کو وہ خطرات و مہالک کی زد میں لاتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچاتا تھا، بلکہ ثابت قدمی اور بہادری کے ساتھ ہر نئی تکلیف اور مصیبت کا خیر مقدم کرتا رہتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کی کامیابیاں زیادہ نمایاں تھیں، اور اس کی غلطیاں جو لازمۂ انسانی ہیں کچھ بہت زیادہ اہمیت رکھتیں، جب وہ اس دنیا سے اٹھا، تو اس کے ساتھ کیمیاگروں، دوا سازوں اور طبیبوں کی ایک نسل بھی چلی گئی، جس نے درد و الم پر غلبہ پانے کی زبردست جدوجہد کی تھی!

باب (۷)

خندہ آور گیس

جس زمانہ میں پرسٹلے آکسیجن پر اپنی تحقیقات و تجربات میں مصروف تھا، اسی زمانہ میں طبی گیسوں کے اثرات پر وہ تدوین و تحریر میں بھی مشغول تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ علم کیمیا اپنی طفولیت کے دور سے گزر رہا تھا اور فن طب کی اس جانب کوئی توجہ نہیں تھی، اطبا اور ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ گیسوں سے علاج کرنا ایک نہایت خطرناک کام ہے، اسی لئے علمی حلقے مجبور تھے کہ اسے ہاتھ لگانے میں کافی احتیاط برتیں، لیکن جیسے ہی گیسوں کا رواج ہوا، اور عام طور پر ان کا استعمال دھجک ہونے لگا، تو لوگ ان کے ذریعہ پھیپھڑوں کے امراض سل، دمہ، نیز سرطان اور فالج وغیرہ کا علاج بھی کامیابی سے کرنے لگے، پھر جب ہائڈروجن اور نائٹروجن جیسی دوسری گیسیں دریافت کی گئیں تو ان پر بھی اسی طرح تجربات کیے گئے، ان گیسوں میں صرف ایک گیس ایسی تھی جس کے استعمال کی جرأت اطبا نہ کر سکے، اور وہ اکسائڈ آف نائٹروجن تھی، اس گیس کی دریافت کا سہرا پرسٹلے کے سر ہے۔ اس گیس پر ایک مشہور امریکی طبیب نے سخت اعتراض کیا تھا۔ اس طبیب کا نام میچل تھا، اس نے اعلان کیا کہ یہ گیس زہر قاتل ہے،

اس لیے اطبا نے اس کے تجربے کی ہمت اپنے اندر نہ پائی ۔

قابل ذکر واقعہ!

اس واقعہ پر ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے! جو پرسٹلے کے واقعہ سے کسی طرح کم حیرت انگیز نہیں!

سولہ سال کی عمر کا ایک نوجوان تھا، جس کا نام ڈیوی تھا۔ یہ بورلاز نامی ڈاکٹر کے دواخانے میں خادم تھا' اس کے آقا اور اس کے پاس آنے جانے والے والوں کے درمیان گیسوں' اور خوفناک اکسائڈ آف نائٹروجن کے مفروضہ خطرات کے بارے میں اکثر بات چیت ہوا کرتی، ڈیوی ان باتوں کو بہت شوق اور توجہ سے سنتا رہتا تھا، آخر جوانی کی امنگ اور علم کی محبت نے اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ اس گیس کے اثرات خود اپنی ذات پر آزمائے تاکہ اس طرح اس کا شمار بھی وقت کے موجدین اور مخترعین میں ہو سکے، وہ بھی محققین کی صف میں جگہ پا سکتے اور جس شہرت کے وہ خواب دیکھتا رہتا ہے' ان خوابوں کی خوش آئند تعبیر پوری ہو' اور اگر یہ نہ ہو تو علم کے راستے میں شہادت بھی اسے منظور تھی' مر جانا بھی اسے گوارا تھا' ڈیوی اپنے دل میں یہ ٹھان کر دن بھر دوا سازی کے کام میں مصروف و منہمک رہتا، گولیاں اور مرہم وغیرہ بھی بنایا کرتا، پھر رات کی تنہائی میں فرصت کے لمحات کیمیائی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا، خاص طور پر پرسٹلے کی

تالیفات وہ بڑے غور اور شوق سے پڑھا کرتا تھا،

موت نہ آئی!

ایک رات حسب معمول ڈیوی نے اکسائڈ آف نائٹروجن تیار کی، پھر وہ دواخانہ سے ملے ہوئے کمرے میں پہنچا اور وہاں اس نے بے خوف وخطر اس گیس کو سونگھنا اور ناک کے ذریعہ جسم میں جذب کرنا شروع کر دیا، ساتھ ہی موت کا انتظار کرنے لگا کہ اب آئی اور اب آئی!

مگر موت نہ آئی!

موت کی کوئی علامت طاری نہ ہوئی!

اس نے اپنے تجربہ کو پھر دوہرایا'!

اس بار بھی کچھ نہ ہوا!

تیسری بار بھی ڈیوی نے یہی حرکت کی'!

اب ڈیوی کا دل ایک عجیب قسم کی لذت اور انبساط سے معمور ہو گیا جسے محسوس کر کے اسے سخت حیرت ہوئی، اس پر اس شدت کی ہنسی غالب ہوئی کہ وہ ضبط نہ کر سکا، اور بے اختیار ہنسنے لگا، پھر یہ ہنسی اتنی بڑھی کہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ گیس سے مرنے کے بجائے کہیں ہنستے ہنستے دم نہ توڑ دے!

بامو قع اشعار!

ڈیوی شاعر تھا، اور اکثر ساحل پر تنہائی میں ہواؤں اور سمندر کی

کیف آور موجوں کے زیر و بم سے متاثر ہو کر اشعار گنگنایا کرتا تھا، جب اس نے ہنسا نے والی گیس دریافت کر لی، تو قلم اٹھایا، اور چند شعر نظم کر ڈالے، جو یہ ہیں:

"میں نے سرور کی جس دنیا کو دریافت کیا ہے
وہ کسی فانی خواہش کے خوابوں کا نتیجہ نہیں،
اگر
محبت کی آگ میرے دل میں
نہ بھڑکی
تو میں امید کرتا ہوں کہ
اس آگ کا شعلہ میرے رخسار پر ضرور درخشاں ہو گا،
میری دونوں آنکھوں میں ایک عجیب چمک پائی جاتی ہے،
میں ایسے اٹھلاتے ہوئے نغمے سن رہا ہوں
جن سے میرا منہ لبریز ہے
اور ایک ایسی عجیب قوت محسوس کر رہا ہوں،
جو میرے خون میں سرایت کر رہی ہے، ——————!"

ڈیوی نے صرف نظم ہی پر اکتفا نہیں کیا، اس کے بعد بھی تجربہ جاری رکھا، دوسرے دن اس نے پھر ایسا ہی کیا،

پھر روز اس گیس کو سونگھنے کا مشغلہ اختیار کر لیا، اب وہ افیونیوں کی طرح اس کا عادی بن گیا، یہ گیس نشہ بن کر اس پر چھا گئی،!

پہلا تجربہ!

ایک روز اس کی داڑھ میں درد ہو رہا تھا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً گیس سونگھ لی، اور سونگھتے ہی درد کافور ہو گیا۔ اس اتفاقی واقعے نے معالجہ امراض کا ایک نیا باب اس کے سامنے کھول دیا، اور اس نے دوگنی ہمت کے ساتھ عزم کر لیا کہ اس ضمن میں ایک رپورٹ مرتب کر کے دنیائے طب کے سامنے پیش کرے،

وہ اپنے اس عزم پر خفیہ طور سے عمل کرنا چاہتا تھا مگر تقدیر نے،

تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ !

والی مثل سچ کر دکھائی !

ایک مریض نے ڈاکٹر بورلاز کا دروازہ کھٹکھٹایا ڈاکٹر نے ڈیوی کو حکم دیا کہ دوا لائے، ڈیوی اس وقت تجربہ خانے میں تھا، ڈاکٹر کی آواز سن کر وہاں سے نکلا تو اس وقت ہنسی کا دورہ پڑ چکا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے بے موقع ہنستے دیکھ کر کڑی نظر ڈالی، مگر ہنسی ضبط نہ ہو سکی وہ اتنے زور سے ہنس پڑا کہ اس کی ہنسی کی آواز قہقہہ بن گئی، قہقہہ اتنے زور سے بلند ہوا کہ مریض کی کراہ پر غالب آ گیا۔ مریض اس بے سلوکی اور حیرت انگیز طرز عمل کو برداشت نہ کر سکا، اسے غصہ آیا، ایسی جگہ اس نے علاج کرانا حماقت سمجھا، اور غصہ میں جلا بھنا واپس چلا گیا،

بے موقع ہنسی!

اس قسم کے واقعات کئی بار پیش آئے، اور نوجوان ڈیوی کی شکایتیں جو اس کی بے موقعہ ہنسی، یعنی بدتمیزی اور بے ادبی مشتمل تھیں بڑھنے لگیں آخر ڈاکٹر بورلاز نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ڈیوی کو برخاست کر دے، ڈیوی نے جو یہ دیکھا تو فوراً کسی طرح سے ڈاکٹر کے قریب پہنچا اور ہنسانے والی گیس تھوڑی سی سنگھا دی، اسے سونگھتے ہی ڈاکٹر کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا، وہ بھی ہنسنے لگا!

اب دونوں مسلسل ہنسنے لگے'!

آقا بھی اور خادم بھی'!

عین اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، مریض معمول کے مطابق آنے لگے، تو دیکھتے کیا ہیں شاگرد اور استاد ——————
——— ڈیوی ایک طرح ڈاکٹر کا شاگرد بھی ہو گیا تھا ————
بے تحاشا ہنس رہے ہیں' دونوں عجیب حالت میں ہیں، ہنسی کے مارے دونوں کی باچھیں پوری قوت سے کھلی ہوئی ہیں اور ہنسی ہے کہ کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ یہ دیکھ کر لوگ یکے بعد دیگرے اٹھ اٹھ کر بھاگنے لگے، —————————— شاید وہ سمجھے یہ دونوں کے دونوں پاگل ہو گئے ہیں'!

———

ہوش کے عالم میں!

جب گیس کا اثر زائل ہوا تو ڈاکٹر نے ڈیوی سے واقع کی حقیقت دریافت کی،

"یہ کیا ماجرا تھا؟"

ڈیوی نے جواب دیا

"اے باد سحر ایں ہمہ آوردۂ تست"!

اور پھر ڈیوی نے اکسائڈ آف نائٹروجن کی کرشمہ زائیوں کی ساری داستان سنا ڈالی'!

ڈاکٹر حیرت سے یہ کہانی سنتا رہا!

پھر اس نے غور و فکر کے بعد ڈیوی کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اس ایجاد سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایک کمپنی قائم کی جائے۔ مگر ان دونوں کی متواتر ہنسی کا واقعہ شہر میں شہرت پا چکا تھا اور اس پر بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں، لوگوں نے بورلاز پر تہمت لگا دی کہ یہ ایک شیطانی گیس استعمال کیا کرتا ہے۔ چنانچہ مریض اس کے پاس آنے سے کترانے لگے بیچارہ انجام سے ڈر گیا، اور ڈیوی کو اس نے مزید تجربہ اور تحقیق سے منع کر دیا!

لیکن ڈیوی نوجوان تھا!

اس کا سینہ عزم و ارادہ سے بھرپور تھا!

ناامیدی اور یاس کا اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا، بورلاز نے اسے منع کر دیا، تو وہ چھپ چھپ کر یہ کام کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے ڈاکٹر بڈوس[1] کو اس راز سے آگاہ کیا، یہ شخص ایک فلسفی اور شاعر تھا، یہ عوام کی محبت اور اعتماد کی دولت سے مالا مال تھا، اس پر ہر چہار طرف سے عطیوں، تحفوں اور سیم و زر کی بارش ہوتی رہتی تھی، مشہور شاعر تھامس ویجوڈ نے بھی اسے ایک ہزار پاؤنڈ اسٹرلنگ اس غرض سے دیے تھے کہ اس کی علمی اکاڈمی کی تعمیر میں حصہ لے سکے،

خواب!

ڈاکٹر بڈوس ایک مدت تک پیرس میں مقیم رہا، وہاں اس نے لافوازیہ سے شناسائی پیدا کی، پھر اس نے آکسفرڈ میں لیکچر دیے جن کا موضوع تھا، ——— خواب! ——— اسی موضوع پر اس سے پہلے فرائڈ بھی لیکچر دے چکا تھا، ڈاکٹر بڈوس کے گھر پر چوٹی کے ادیبوں اور شاعروں کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا، ڈیوی، بڈوس کی سرپرستی میں یکسوئی، اور فراغت کے ساتھ اپنے تجارب اور تحقیقات میں مصروف رہا، اس کے اکتشاف کی بدولت بڈوس اکاڈمی کی شہرت میں خاصا اضافہ ہوا۔ مریض ہر طرف سے اس کے ہاں آنے لگے، پھر اوبرگ، کے پروفیسروں نے

---

(1) Beddoes

ان تجربات کو دوہرایا اور متعدد انگریز علما نے مبارکباد کے پیامات بھیجے!
اس کامیابی سے ڈیوی کی ہمت بہت زیادہ بڑھ گئی اور اب اس نے ڈاکٹر بیچل کے خلاف میدان جنگ میں صف آرا ہو کر ۱۸۰۰ء میں "آکسائڈ آف نائٹروجن کی ماہیت، حقیقت اس کے سونگھنے کے اثرات اور کیفیت" پر ایک مستقل اور معرکہ آرا کتاب شائع کی، یہ کتاب اس نے بالکل علمی انداز میں لکھی، ساری بحث کے دوران میں کہیں بھی اعتدال اور توسط کے راستے سے تجاوز نہ کیا، اس نے اپنی اس کتاب میں لکھا،

"سونگھنے کی کیمیا ہنوز عہد طفولیت میں ہے، اور اس کے استعمال سے پہلے کثرت کے ساتھ تجربات کا سلسلہ جاری رکھنا بہت ضروری ہے!"

قدر افزائی!

ڈیوی کو جتنی تیزی کے ساتھ شہرت حاصل ہوئی اس کا ایک نتیجہ یہ بھی برآمد ہوا کہ وہ بیس ہی سال کی عمر میں ایک کالج میں پروفیسر ہو گیا، لوگوں پر اس کے لیکچروں کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ بہت سے آدمیوں نے اس تجربے کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کر دیا، اس کی گیس سونگھنے سے جو کیفیت سونگھنے والے پر طاری ہوتی، اس کے نظارہ سے عوام بہت مسرور اور محظوظ ہوتے۔ اب حالت یہ ہوتی کہ روزانہ اس کے پاس تہنیت کے پیام، ہدیے، دعوتیں اور تعارف کی التماسیں اور

درخواستیں بڑی کثرت سے پہنچنے لگیں، اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی میں روز بروز نہیں بلکہ لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہو رہا تھا، جس طرح تیزی سے جنگل میں آگ پھیلتی ہے، اس طرح ڈیوی کی شہرت پھیل رہی تھی!

مسرت انگیز کیفیت!

ڈیوی گیس کے ان اثرات کو زیادہ اہمیت دیتا تھا جو نفس اور قلب پر اہتزازی کیفیت طاری کرنے کے بجائے رفع تکلیف کے سلسلہ میں ظاہر ہوتے تھے، وہ بڑے بڑے آپریشنوں میں گیس کے استعمال پر غور کرتا رہتا تھا، اس طرح وہ جراحی تخدیر (سن کر دینا) کی دریافت کے قریب قریب پہنچ گیا، اور اگر وہ وقتی مدہوشی کے بجائے ایک گہری نیند اور مدہوشی پیدا کرنے کی غرض سے لازمی خوراک معلوم کرنے کے لیے مسلسل تحقیق و تجربے میں لگا رہتا تو یقیناً وہ تخدیر (سن کرنے) کے قواعد اور اصول وضع کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا، لیکن اس کے راستے میں زبردست مشکلات حائل تھیں، اور یہ مشکلات برابر بڑھتی ہی جا رہی تھیں، بعض اطبا نے اس گیس کا تجربہ کیا، تو محسوس کیا کہ یہ نبض میں سستی پیدا کر دیتی ہے، اس سے دورانِ سر بھی شروع ہو جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کی افادیت کے منکر ہو گئے، اور اس کے استعمال پر راضی نہ ہوئے۔ یہ اعتراض اس طریق علاج کی بنیاد ہلا دینے کے لیے کافی تھا، جو لوگ اس گیس کا استعمال کرنے لگے تھے، بہت جلد ان پر

فریب کاری اور دغا بازی کے سنگین الزامات عائد کیے جانے لگے، حکومت کو اکسایا جانے لگا کہ وہ جلد از جلد اس گیس کے خلاف قدم اٹھائے، اور اسے ممنوع قرار دیدے!

بجلی پر تحقیقات!

اب ڈاکٹر بڈوس مجبور ہوا کہ اپنے شفاخانے کو شفاخانۂ امراض معدیہ میں تبدیل کردے، چنانچہ ڈیوی کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہ گیا کہ اپنی توجہ کسی اور علم کی جانب مبذول کرے، چنانچہ وہ بجلی پر تحقیقات میں مصروف ہوگیا، اس نے کانوں میں کام کرنے کے لیے ایک ایسا لیمپ ایجاد کیا جو پھٹتا نہ تھا، یہ لیمپ ڈیوی کے نام سے منسوب اور مشہور ہوا، اس کامیابی کے سلسلہ میں اسے بادشاہ انگلستان کی طرف سے اعزازی خطابات، اور نپولین کی طرف سے تمغے عطا ہوئے، ۱۸۲۰ء میں وہ رائل سوسائٹی کا صدر منتخب ہوا، اس اعزاز کو اس نے صرف ۳۳ سال کی عمر میں حاصل کرلیا۔

ان حالات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دواخانے کا خادم گرجا کے خادم سے زیادہ خوش نصیب تھا!

یہ فرق تھا ڈیوی اور پرسٹلے میں!

باب ۸

فریڈے اور ایتھر!

فریڈے ایک گمنام اور مفلس شخص تھا، پیٹ بھرنے کے لیے وقت کا کچھ حصہ اخبارات کے فروخت کرنے میں اور باقی حصہ کتابوں کی جلدیں باندھنے میں صرف کرتا، مگر یہ حالت زیادہ دن تک نہ قائم رہی، اس کی ذہنی بیداری اور بلند ہمتی نے اس میں یہ شوق پیدا کر دیا کہ کتاب کی جلد باندھنے سے پیشتر اس کا مطالعہ کر لے۔ اور اس کے موضوع پر حاوی ہو جائے!

جلد ساز عالم!

اتفاق سے ایک عالم نے جلد بندی کے لیے اسے کچھ کتابیں دیں، یہ فن کیمیا پر تھیں، فریڈے نے انھیں الٹ پلٹ کر حسب معمول دیکھا تو دلچسپ معلوم ہوئیں، بس پھر کیا تھا پڑھنے بیٹھ گیا۔ دوران مطالعہ میں اس کی چشم تصور کے سامنے کیمیا کی مسحور کرنے والی دنیا اپنے جلوے دکھانے لگی، اب پوری توجہ اور محویت کے ساتھ ان کے مطالعہ میں لگ گیا، اور ان کے مطالب پر آگاہی حاصل کرنے کی دھن میں لگ گیا، ان حضرت کے مطالعہ میں انہماک اور استغراق کا یہ عالم ہوا کہ

مطالعہ جاری ہے اور جلد باندھنے کا نہ ہوش ہے نہ فکر، آخر ایک دن کتابوں کا مالک انتظار سے اکتا کر تقاضہ کے لیے آپہنچا، وہ آیا تو اس نے دیکھا کتابیں اب تک غیر مجلد حالت میں ہیں، اسے صبر کی تاب نہ رہی برہم ہوگیا، لعنت ملامت کی بوچھار شروع کردی، لیکن جب خطا کار جلد ساز نے اپنی غلطی کا اعتراف کرکے سارا واقعہ سچ سچ سُنا دیا، تو اس کا غصہ پسندیدگی اور حیرت کے جذبات سے بدل گیا، گفتگو شروع ہوئی تو وہ اس جلد ساز کے وسیع معلومات کا اندازہ کرکے محو حیرت ہوگیا، یہ بات اس کے سان وگمان میں بھی نہیں تھی کہ ایک معمولی جلد ساز کیمیا کے فن پر اتنے مکمل معلومات کا حامل ہوسکتا ہے، یہ سارے معلومات اسی عالم کی کتابوں کے طفیل تھے، ورنہ اس سے پہلے کیمیا کے بارے میں وہ جو کچھ جانتا تھا وہ نہ جاننے کے برابر تھا، اس کے دل میں یہ بات جم گئی، کہ اسے فریڈے کی مدد کرنی چاہیے، اس نے کہا

"ان کتابوں میں سے جو کتاب تمھیں پسند ہو وہ تم لے لو!"

فریڈے نے ڈیوی کی کتاب اٹھالی اور کہا

"شکریہ!"

رائل سوسائٹی

جب ڈیوی نے رائل سوسائٹی کے ایوان میں لیکچرز کا سلسلہ شروع کیا، تو سامعین میں یہ فریڈے بھی تھا، اسے ڈیوی کا یہ خطبہ بہت پسند

آیا، اب اس کے دل میں ایک نیا جذبہ کروٹیں لینے لگا، وہ قریب قریب اس فیصلہ پر پہنچ گیا کہ مجھے جلد سازی کا کام ترک کر دینا چاہیے، اور اپنا سارا وقت حصول علم میں صرف کرنا چاہیے۔ اس فیصلہ نے بہت جلد ایک مستحکم عزم کی صورت اختیار کر لی، اس نے چاہا کہ وہ ایک مددگار کی حیثیت سے ڈیوی کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ اور اس کی تجربہ گاہ میں کام کرنے لگے، ڈرتے ڈرتے اس نے ڈیوی کو ایک خط لکھا، اور اثر انگیز الفاظ میں اپنی اس خواہش اور تمنا کا اظہار کر دیا،

ڈیوی نے اسی زمانہ میں تجرد کی زندگی ترک کر کے تاہل کی زندگی اختیار کی تھی، نئی نئی شادی ہوئی تھی، اور وہ طویل سیاحت کا پروگرام بنا رہا تھا اس کا ارادہ اپنے ساتھ ایک سفری تجربہ خانہ بھی لے جانے کا تھا تا کہ تحقیقات اور تجارب کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔ ظاہر ہے اسے ایک مستعد مددگار کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، عین اس وقت فریڈے کا خط پہنچا، اس نے زیادہ غور و خوض کی ضرورت نہیں محسوس کی، اور جواب لکھ دیا، تم آ سکتے ہو، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، فریڈے کو یہ جواب ملا اور وہ اڑ کر وہاں پہنچ گیا!

نیا مفکر!

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ڈیوی نے محسوس کر لیا اس کا نیا مددگار شیشیاں دھونے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے، فریڈے نے بہت جلد

اپنے استاد کے وسیع علم اور وسیع تر معلومات کو اپنے سینہ میں جذب کر لیا، اب وہ اس کا شاگرد ہی تھا اور ساتھ ہی ساتھ مصاحب، ساتھی اور ہمراز بھی!! ——————!

لیکن سدا کسی کا زمانہ یکساں نہیں رہتا، وہی ڈیوی جو فریڈے کا قدر شناس تھا، اب اس کی ذہانت اور فراست سے جلنے لگا، وہ اپنے شاگرد اور عقیدت مند کو اپنا رقیب سمجھنے لگا، صرف ڈیوی کا معاملہ ہوتا تو شاید وہ اپنے اس نئے اور افسوسناک جذبہ پر جو فریڈے کے خلاف اس کے دل میں پرورش پانے لگا تھا، غلبہ حاصل کر لیتا، اور اس خیال خام کو ذہن و دماغ کے گوشہ سے نکال دیتا، لیکن مصیبت یہ تھی کہ ڈیوی کی بیوی اپنے شوہر سے زیادہ حساس اور غیرت مند تھی، وہ شدت سے محسوس کرنے لگی کہ ڈیوی نے فریڈے کو اپنے پاس رکھ کر سانپ پالا ہے، اس نے فریڈے کو ذلیل کرنے، رسوا کرنے اور اس کے راستے میں نت نئی مشکلات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا!

ہنی مون کے بعد

فریڈے نے اس ناگہانی حقیقت کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور علوم کیمیا کے حصول کے سلسلہ میں اپنی ہر قربانی کو حقیر اور کم جانا، وہ ہر ذلت رسوائی اور تکلیف کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا، اور دل کو یہ سمجھا کر مطمئن کر دیتا کہ حصول علم کے راستہ میں بڑی سے بڑی ذلت بھی ہیچ

اور فرمایہ ہے،

لیڈی ڈے وی اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون منانے کے بعد جب انگلستان واپس آئی، تو اس کا سینہ فریڈے کے خلاف حسد اور نفرت کے جذبات سے پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بھرا ہوا تھا، اگر لیڈی ڈے وی کے جذبات نفرت کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا اس کا حسد بے بنیاد نہیں تھا، غور کرنے کی بات ہے، ڈے وی ہنور پینتیس سال کا تھا کہ اس کم عمری میں اس نے بڑا علمی اعزاز حاصل کر لیا تھا، لیکن اس کی لگاتار جد وجہد، شوق مطالعہ، ذوق جستجو اور کاوش تحقیق نے اسے بیمار ڈال دیا اور اس کی صحت اندیشہ ناک حد تک بگڑ گئی، کام کرنے کی قوت گھٹ گئی اور وہ نڈھال سا رہنے لگا، اس کے برعکس فریڈے کا عنفوان شباب تھا، وہ ڈے وی کے مقابلہ میں خاصا نوعمر تھا، اس کی مستعدی، سرگرمی اور جدت پسند عقل و دماغ نے اسی نوعمری کے زمانے میں اوج کمال تک رسائی حاصل کر لی تھی، لیڈی ڈے وی ایک طرف اپنے شوہر کو دیکھتی، دوسری طرف اپنے شوہر کے خادم کو۔ شوہر بستر علالت پر دراز تھا اور خادم تیزی کے ساتھ شہرت، ناموری اور ہر دلعزیزی کی سیڑھیاں طے کرتا چلا جا رہا تھا، یہ منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا اور فریڈے کے تصور سے مارے غصے کے وہ نیم پاگل ہو جاتی، اس نے کافی غور وفکر کے بعد فریڈے پر تہمت لگائی، کہ گیس کو سیال بنانے کے لیے ٹھنڈک اور دباؤ کا جو طریقہ وہ اختیار کر رہا ہے وہ خود اس کا نہیں بلکہ

ڈے وی کے نتائجِ فکر کا سرقہ ہے، اور فلاجنشین کے اس انکشاف سے ماخوذ جو مقناطیس کے گرد برقی دوروں سے متعلق ہے !

رُوحانی صدمہ !

فریڈے کو ان جھوٹی تہمتوں سے روحانی صدمہ پہنچتا تھا، لیکن یہ تہمتیں اس کے عزم و ثبات میں لغزش نہ پیدا کر سکیں، وہ بڑے سکون کے ساتھ اپنی تحقیقاتی سرگرمیوں میں منہمک رہا یہاں تک کہ وہ کامیاب ہوا، اسے اپنی محنت کا پھل مل گیا، رائل سوسائٹی کے ارباب کار کی طرف سے اسے اعزازی ممبری کی پیش کش کی گئی، ڈے وی اگرچہ اس سوسائٹی کا صدر تھا، اور اس نے اس امر کی پوری جدوجہد کی کہ وہ سوسائٹی کا رکن نہ بن سکے، لیکن اس کی ہر مخالفانہ کوشش رائیگاں ثابت ہوئی اور فریڈے ممبر بن گیا، جس وقت رکنیت کے انتخاب کے لیے فریڈے کا نام پیش ہوا تو سب ممبروں نے اس نام کی پرزور تائید کی، مخالفت صرف ایک شخص کی طرف سے ہوئی اور وہ تھا سوسائٹی کا صدر ڈے وی !

جس زمانے میں فریڈے ڈے وی کے تجربہ خانے میں کام کر رہا تھا، وہاں دورانِ کارگزاری میں اس نے جو اکتشافات کیے ان میں تبخیر کا یہ عمل بھی تھا کہ اس سے کسی عضو کو سُن کرنے کا کام بھی لیا جاسکتا ہے یہ اتنا بڑا کارنامہ تھا، جس نے تخدیر (سُن کرنا) کے مستقبل کو روشن کر دیا!

ایتھر کا امتیاز!

درد کی تسکین میں ایتھر کو جو امتیاز حاصل تھا، علمائے سائینس اس سے واقف تھے، خاص طور پر دمہ کے مریضوں پر اس کا اثر حیرت انگیز طرح سے کامیاب ثابت ہو چکا تھا، فریڈے نے اس سلسلہ میں جو خاص بات پیدا کی وہ یہ ہے کہ اسے سونگھنے سے بھی گہری نیند کی کیفیت طاری ہو سکتی ہے،

خندہ آور گیس سے متعلق ڈے وی کا تجربہ اس حد سے آگے نہ بڑھا کہ وہ ایک نشاط انگیز اور مدہوش کر دینے والا نشہ ہے، مگر فریڈے اس حد سے بہت پرے نکل گیا، اس نے ثابت کر دیا کہ ایتھر نے کامل نیند لانے اور ہر احساس کو باطل کر دینے کی پوری پوری قدرت اور صلاحیت موجود ہے!

یہ بات بھی کتنی عجیب ہے کہ درد اور بیماری کے خلاف اتنا بڑا مورچہ سر ہو گیا، لیکن وقت کے طبیب اور ڈاکٹر اس طرف کچھ زیادہ متوجہ نہیں ہوئے، ان میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ کم سے کم آزمایش ہی کر لیتا، اس تغافل کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حیرت انگیز اور مفید ترین اکتشاف طاق نسیان کی زینت بن کر رہ گیا!

پرندوں پر تجربہ!

سب سے پہلے براسلس نے ایتھر کو پرندوں پر استعمال کیا اور ان پر گہری نیند طاری کردی اس کے وقت سے فروبانوس کے عہد تک پھر کوئی نئی بات دریافت ہوئی، فروبانوس نے بھی سینہ کے امراض کے سلسلہ میں سرسری طور پر اس کا ذکر کیا ہے، پھر فریڈے کا دور آیا، اس طرح گویا ڈھائی سو برس کا خلا پیدا ہو گیا، اب انسانی امراض کی تاریخ میں تیسری بار پھر ایک بچانے والی دوا کی تلاش و جستجو میں ایک نئے دور سے انسانیت گزر رہی ہے، اور نتیجہ اب تک غیر متعین اور لامعلوم ہے ؛

باب ۹

اسٹورنر اور افیون

ڈے وی کی طرح اسٹورنر بھی ایک دواخانہ میں کسی معمولی کام پر ملازم تھا، ڈے وی کی طرح یہ بھی کوئی علمی سند نہ رکھتا تھا، لیکن وہ ایک حوصلہ مند، ذہین اور محنتی شخص تھا، اس نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا کہ گولیاں بنالے، مرہم تیار کرلے، نسخہ باندھ لے، ان کاموں کے ساتھ ساتھ فن کیمیا پر غور اور تامل کے ساتھ مطالعہ کا سلسلہ شروع کر دیا، جو کچھ آتا تھا خفیہ طور پر دواخانہ کی تجربہ گاہ میں اپنے نتائج مطالعہ کو تجربہ اور صداقت کی کسوٹی پہ بھی کستا تھا!

افیوں کا اثر!

اس اثنا میں اس کی توجہ اس واقع پر خصوصیت کے ساتھ مبذول ہوئی کہ دوا سازی میں جتنی جڑی بوٹیاں یا دوائیں استعمال کی جاتی ہیں ان میں ایک بھی ایسی نہیں ہے جو حقیقتاً درد اور تکلیف کا عارضی یا مستقل طور پر خاتمہ کر دے، یہاں تک کہ خشخاش اور اس سے نکلی ہوئی افیون تک کا فعل اور اثر افادیت کے اعتبار سے ثابت نہیں، جو کچھ ثابت تھا وہ صرف یہ کہ افیون خطرناک چیز ہے اور کبھی کبھی اس کا استعمال موت

کا سبب بھی بن سکتا ہے، اس بات سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ چونکہ افیون کے بارے میں طبیبوں اور ڈاکٹروں کے مابین سخت اور شدید اختلاف ہے، اور دوا ساز اس قوی الاثر مادّہ کی نافعیت سے ناواقف ہیں، اس لیے طبیب افیون کے پوشیدہ جوہر کو جس سے خطرہ ذرا بھی نہیں پیدا ہوتا اور فائدہ بہت زیادہ ممکن ہے یکسر نظر انداز کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے، اس لیے اسٹورز نے غور و فکر اور تجربہ و مشاہدہ کے بعد یہ بات معلوم کی کہ افیون کا جو مادّہ درد یا تکلیف کو سکون پہنچاتا ہے وہ بالکل خالص نہیں ہوتا، اس کے ساتھ دوسرے ضرر رساں اور نقصان دہ مادّہ بھی ملے جلے رہتے ہیں، اگر کسی طرح ان ضرر رساں مادّوں کو خارج کر دیا جائے اور افیون کے مادہ کو کامل طور سے خالص بنایا جا سکے تو دوا ساز ایک عجیب و غریب دوا کا مالک بن سکتا ہے اور طبیب مقدار اور مدت کو معین کر کے جس طرح چاہے مریض پر اس کا استعمال کر سکتا ہے، اور اس محتاط استعمال کے بعد کسی قسم کے خطرہ اور اندیشہ کا کوئی امکان نہیں!

ناکامیابیاں

اس زمانہ میں اسٹورز خاص طور پر جس بات کو اپنے غور و فکر کا مرکز بنائے ہوئے تھا، وہ یہ تھی کہ اگر فنِ کیمیا ایک ناقص چیز کی تکمیل میں سائنس کی مدد نہ کرے تو پھر اس کے وجود سے فائدہ ہی کیا ہوا،

چنانچہ اب دواسازی کی زندگی اور سفوفوں کی تیاری اور مرہموں کی ترکیب میں بھی اسٹورنر جیسے ذہین اور صاحب فراست نوجوان کو خامیاں نظر آنے لگیں، وہ مروجہ طریقوں سے ذرا بھی مطمئن نہ تھا، زمانہ ایک دوراہے پر کھڑا تھا اور علم کا ہر قدم یکے بعد دیگرے کامیابی کی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا، اسٹورنر اس ہلچل اور ہنگامہ کو ایک کونہ میں کھڑا ہوا خاموشی سے نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ اپنی طبیعت کے میلان اور رجحان کے تقاضہ سے مجبور تھا، کہ اپنے عمل کا مظاہرہ کرے گا اور جہل کے مقابلہ میں علم کو جتنی زیادہ کمک پہنچا سکتا ہے، پہنچائے، وہ چاہتا تھا، کوئی ایسا نیا کارنامہ کر دکھائے جس سے اس کا نام مشہور ہو، اور عزت و شہرت کے دروازے اس کے لیے کھل جائیں،

افیون کا راز!

اس کا یہ خیال سوڈاواٹر کا جوش نہیں تھا کہ اٹھا اور گیا، وہ دفع الوقتی کے طور پر یہ باتیں نہیں سوچ رہا تھا، کچھ کرنے کے لیے، کچھ کر دکھانے کے لیے اس کی طبیعت بے قرار تھی، اس نے اپنے جی میں ٹھان لیا تھا کہ وہ افیون کے دانے سے نیند کا راز نکال کر رہیگا تاکہ طبیب اور معالج کے تصرف میں یہ راز آجائے، اور مریضوں کی بہت بڑی مشکل آسان ہو جائے، اس طرح وہ کیمیا کے ارتقا اور فروغ

کے لیے اپنے ذہن و دماغ کی ہر قوت وقف کیے ہوئے تھا، انگلستان کے اندر عین اس زمانہ میں جب ڈیوی اور فریڈے بجلی کے ذریعہ اجسام مرکبہ سے اجسام بسیطہ نکالنے کی جدوجہد میں مصروف تھے، اسٹورنر ایک ایسے خالص اور بے میل مادہ کے استخراج کی فکر میں منہمک اور سرگرداں تھا جو نباتات میں دوسرے مادوں کے ساتھ ملا جلا پایا جاتا تھا اور جسے وہ میکانکی ذرائع سے اس حالت میں برآمد کرنا چاہتا تھا کہ وہ بالکل صاف اور پاک ہو، اس کے اندر کسی قسم کی آمیزش اور ملاوٹ باقی نہ رہ جائے، اس سلسلہ میں وہ دھلائی اور تخلیص کے عمل کو استعمال کر رہا تھا۔

دن پر دن گزرتے گئے اور اسٹورنر افیون کے خواب آور مادہ کے استخراج کی سعی و کوشش میں برابر سرگرداں رہا، کبھی اس کام کے لیے وہ مقطر پانی استعمال کرتا، کبھی الکحل وغیرہ محلل اشیا سے کام لیتا، ایک روز اتفاقاً افیون پر نوشادر کی روح انڈل گئی، تو کیا دیکھتا ہے کہ اس پر ایک لیسدار مادہ سا جمع ہو گیا ہے، جو عجیب قسم کی شفاف قلموں میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے، اس نے ان قلموں کو سلفوریک ترشے اور الکحل سے دھویا تو ایک سفید رنگ کا چمکیلا سا سفوف پیدا ہو گیا، یہ ایک نئی چیز دریافت ہوئی تھی، ضروری تھا کہ تجربہ کی روشنی میں اس کی حقیقت اور ماہیت دریافت کی جاتی!

دواخانہ کا تہ خانہ

دوا سازی کے لیے جو تہ خانہ تھا اس میں چوہے بکثرت تھے، اسٹورنر نے انھیں شکار کر کے جمع کرنا شروع کیا، ساتھ ہی شہر کے آوارہ گرد کتوں کا ایک ریوڑ بھی جمع کر لیا، پھر اس نے اپنے مہمانوں ——— چوہوں اور کتوں ——— کے لیے جو کھانا تیار کیا، اس میں یہ سفوف بھی شامل کر دیا، اس نے سفوف کے اثرات پر کڑی نظر رکھی اور رفتہ رفتہ سفوف کی مقدار بڑھانا شروع کر دی، یہاں تک کہ کچھ روز بعد ایسی مقدار معین ہو گئی، جس کے استعمال سے کتے اور چوہے جاں بحق تسلیم ہونے لگے، یعنی ہستی کے زنداں خانہ سے آزاد ہو گئے!

اس طرح حیوانات کے لیے اسی سفوف کی انتہائی مہلک مقدار کا علم ہو گیا، اور یہ اندازہ ہو گیا کہ فلاں مقدار سے زیادہ دیا جائے تو چوہے اور کتے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

مگر ابھی ایک سوال حل طلب تھا! ———!

یہ کہ انسان کے لیے کتنی مقدار خوراک ہونی چاہیے؟ کتنی خوراک کو وہ برداشت کر سکتا ہے؟ اور کتنی خوراک کے بعد اس کی ہلاکت یقینی ہو جائے گی؟ جب کوئی صورت نہ سجھائی دی، تو ڈیوی کی طرح اسٹورنر نے بھی فیصلہ کر لیا کہ خود اپنی ذات پر اس سفوف کے اثرات کا تجربہ کرے، خوش قسمتی سے اسے اپنے دوستوں میں تین آدمی ایسے

مل گئے جنھوں نے اس کے ساتھ اس تجربہ میں شرکت قبول کر لی، وہ ان کے ساتھ برابر تجربات کرتا رہا، اور بالآخر وہ ایسی مقدار خوراک دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا جو شفا بخش تو ہو مگر ہلاکت آفریں نہ ہو!

نیا دواخانہ!

اس اثنا میں اسٹورنر نے دوسروں کی محتاجی سے آزادی حاصل کر لی، ہانوور کے مضافات میں ایک مقام انبک پر اسے ایک اپنا دواخانہ قائم کرنے میں کامیابی ہوگئی، ۱۴ برس کی لگاتار تحقیقات اور تجربات کے بعد اس نے افیون کے تمام اسرار پر قابو پالیا، یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ ڈیوی کی طرح اسٹورنر کی داڑھ میں بھی درد اٹھا، اور اس نے بھی اس سفید سفوف کی ایک خوراک کھالی، اسے فوراً آرام محسوس ہوا، اور خواب کی لذت حاصل ہوگئی، پھر ایک خوراک اور کھالی، تو گہری نیند کے مزے لوٹنے لگا،

اس واقعہ سے اسٹورنر کو یقین ہوگیا کہ درد دور کرنے کا راز اس سفید سفوف میں پوشیدہ ہے۔ اس درد کے اثر سے جو خواب نظر آتے ہیں ان کی وجہ سے اسٹورنر نے اس کا نام "مورفین" رکھ دیا، یہ لفظ مورفہ کی طرف منسوب ہے جو خوابوں کا دیوتا تھا اور نیند کے دیوتا سومنوس کا بیٹا تھا ——————!

اس دوا کے اکتشاف کا فائدہ صرف درد کے رفع ہوجانے تک

ہی محدود نہ تھا بلکہ اس کے امکانات بھی روشن اور واضح ہو گئے تھے کہ نباتات سے بعض مادے نکالنے کے بعد بھی کچھ اور مادے نکالے جا سکتے ہیں جو ان میں باہم ملے جلے موجود ہوتے ہیں !

سائنس نے اسٹورنر کے مساعی کو مکافات اور حوصلہ افزائی سے محروم نہ رکھا۔ اس کی عزت افزائی کی گئی، وہ واٹنا اکاڈمی کا رُکن منتخب کر لیا گیا، پھر وہیں کے کالج آف فلاسفی نے اسے اعلےٰ درجہ کی اعزازی ڈگری عطا کی !

خراج تحسین!

برلن، پیٹرسبرگ اور لزبن جیسے علمی مراکز بھی اسٹورنر کو خراج تحسین ادا کرنے میں پیچھے نہ رہے، پیرس کی فرنچ اکاڈمی نے "مونیو پرائز"(۱) عطا کیا، اسٹورنر کو یہ انعام مورفین کے انکشاف کے صلہ میں دیا گیا، یہ واقعہ ۱۸۳۱ء کا ہے !

بلاشبہ اسٹورنر کو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی تھی، لیکن یہ کامیابی اس کے لیے بڑی منحوس ثابت ہوئی، اس کامیابی کے بعد ہی اس پر ظلم و ستم کا افسوسناک اور عبرت انگیز دور شروع ہو گیا، لوگوں کے حسد، جھوٹی تہمتوں، فریب کاریوں اور سازشوں سے اس کی زندگی دوبھر ہو گئی،

---

(۱) فرانس کے ایک محسن انسانیت نے فرانسیسی انقلاب سے پہلے ایک زبردست رقم وقف کر کے ان لوگوں کیلئے انعام مقرر کیا تھا جو اپنے علم سے انسانیت کو غیر معمولی فائدہ پہنچائیں !

غریب نے انسانیت کے آلام کم کرنے کے لیے کیسی کیسی کڑیاں جھیلی تھیں کیسے کیسے دُکھ اٹھائے تھے، کامل ۱۴ سال تک وہ اسی دھن میں مست رہا، اسی کام میں لگا رہا،

لیکن انسانیت کی طرف سے اسے بدلہ کیا ملا ؟

تلخ صلہ !

انسانیت نے اس کے کمال، احسان اور علمی مقام کا بڑا تلخ صلہ دیا ابنائے جنس شکر گزاری کے بجائے محسن کشی پر تل گئے، آخر وہ بھی ڈیوی کی طرح اپنے اکتشاف سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوگیا، اسے بھی ترک وطن کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا، عجیب بات یہ ہے کہ اسٹورنر نے بھی ڈیوی کی طرح برقیت اور توپوں کی بارود پر اپنی تحقیقات کا رُخ پھیر دیا، اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ اس شخص کی زیادہ قدر نہیں کرتے جو زندگی اور حیات کا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتا ہے، صرف اس کے سامنے ان کی عقیدت و احترام کی گردن جھکتی ہے جو ہلاکت، بربادی اور خوں ریزی کے تحائف لے کر میدان میں آتا ہے !

اسٹورنر اور ڈیوی کے حالات میں بس اتنا ہی فرق ہے کہ ڈیوی پے بہ پے حملوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا، گرتا رہا، نڈھال ہوتا رہا، کمزور ہوتا گیا، لیکن کسی نہ کسی طرح جما رہا، لیکن اسٹورنر یہ نہ کر سکا، وہ ان متواتر حملوں کی تاب نہ لا سکا، دیوانہ ہوگیا، دیوانگی اچھی نہ ہوئی تھی کہ وہ

تھرس کی سخت و شدید تکلیف میں مبتلا ہو گیا، شاید اپنی دوا کے استعمال سے جو اسی کی ایجاد تھی، وہ کچھ فائدہ حاصل کر لیتا، مگر اس کا ضعیف معدہ زیادہ مدت تک اس دوا کا بوجھ نہ اٹھا سکا، اس وقت تک انجکشن کا طریقہ ایجاد نہ ہوا تھا، اس لیے بیچارے کی تکلیفیں بڑھتی گئیں یہاں تک ۱۸۴۱ء میں اس نے اپنی جان جاں آفریں کو سپرد کر دی!

عبرت ناک واقعہ!

اس بے بسی کے ساتھ اسٹورنر کی زندگی کا خاتمہ بڑا عبرت ناک واقعہ ہے، اس نے انسانیت کو فائدہ پہنچایا، اس سے عالم انسانیت کا مفاد وابستہ تھا، لیکن انسانوں نے اس کی قدر نہ کی، وہ اس وقت تک اس کے پیچھے لگے رہے، جب تک وہ اس جہاں آب و گل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت نہ ہو گیا!

باب ۱۰

فقرا کا طب

گزشتہ بیانات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ درد و اذیت کو تسکین دینے کے سلسلہ میں طب نے دنیا کو تین چیزیں عطا کی ہیں :

(۱) خندہ آور گیس

(۲) ایتھر

(۳) افیون

لیکن ان کے رواج و استعمال کی راہ میں سر بفلک پہاڑ حائل تھے ، پھر اختلافات و مخالفت کے بعد نسیان و تغافل کی کارفرمائی الگ جاری تھی ، جب کوئی نیا موجد اٹھتا اور اپنی عرق ریزی ، جاں فشانی اور تحقیق و مطالعہ کے نتائج کی صورت میں کوئی نئی چیز دکھیا انسانیت کے علاج اور مداوا کے لیے پیش کرتا ، تو حسد ، جہل اور استبداد کے چوطرفہ وار اس کی ذات پر شروع ہو جاتے ، اور اپنے پیش رووں کی طرح وہ بھی دوسروں کو بیماری اور آزار سے بچانے کے بجائے خود اپنی جان اور عزت آبرو کے بچاؤ میں مصروف اور منہمک ہو جاتا !

انسانیت کی خدمت

ڈیوی ، فریڈے اور اسٹورز میدان علم و سائنس کے وہ یکہ تاز ہیں

جنھوں نے ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا سے بے نیاز ہو کر انسانیت کی خدمت کی، اور اپنا غیر فانی تام ترکہ کے طور پر چھوڑ گئے، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ان لوگوں نے جو کارنامے انجام دیے وہ دوسروں کے دکھ درد کی ہمدردی سے متاثر ہو کر نہیں کیے تھے، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو دوسروں کی تکلیف دیکھ کر کڑھا ہو، جس کا دل دوسروں کی اذیت دیکھ کر امنڈ آیا ہو، جس کا رحم اور شفقت کا جذبہ دوسروں کی المناکی دیکھکر ابھرا ہو، ان مکتشفین کی دریافت اور ایجاد کا سہرا ان کے رحم و شفقت کے جذبہ پر نہیں ہے، محض ذوق ایجاد اور لذتِ اختراع کے سر ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے اکتشافات کتنے ہی بڑے ہوں، پھر بھی ان کا دائرہ اور حلقہ تنگ ہی نظر آتا ہے!

بے شبہ انھوں نے جو مقصد سامنے رکھا تھا اس کے حصول کے لیے انھوں نے نفیس سے نفیس اور قیمتی سے قیمتی چیز کے قربان کر دینے سے دریغ نہ کیا، حد یہ ہے کہ اپنی زندگی تک کو بے تامل اور بغیر کسی جھجک کے خطرہ کی زد میں لے آئے، یہ وہ بڑی سے بڑی قربانی ہے جو کوئی آدمی کر سکتا ہے، لیکن یہ حضرات ایک ہی ایجاد پر اپنی زندگی وقف کر دینے کے قائل نہ تھے، جب کبھی صعوبتیں ان کی راہ میں حائل ہوتیں، جس کام میں لگے ہوتے اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں اسی دلچسپی اور شغف کے ساتھ مصروف ہو جاتے، اور انسانیت کے دکھ درد کو یکسر فراموش کر دیتے، چنانچہ انھوں نے مخدرات کو ویسے ہی بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ہوئے چھوڑ

دیا اور دوسرے کاموں میں اپنے ذہن و دماغ کی قوتیں اور صلاحیتیں صرف کرنے لگے، ان دوسرے کاموں کو اصل کاموں یعنی مخدرات سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہ تھا، گویا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے، ان کا مطمح نظر اور مقصد حیات صرف اکتشاف تھا، خواہ کسی چیز کا ہو، انھیں اس سے سروکار نہ تھا کہ منزل مقصود تک رسائی ہوتی بھی ہے یا نہیں؟

نیا میدان!

اسی لیے ڈیوی صاحب ہوں یا اسٹورنر یا کوئی اور بزرگ، جب یہ توپ کی بارود اور بھک سے اڑ جانے والے مادے اور دھماکے کے ساتھ پھٹنے والی چیزوں پر متوجہ ہوئے تو انھوں نے ہنسانے والی گیس اور افیون کے اسرار سربستہ معلوم کرنے میں جتنی محنت اور تن دہی سے کام لیا تھا، بالکل اسی طرح یہ دوسرے کاموں میں بھی لگ گئے، انھوں نے یقیناً بڑے بڑے اور اچھے اچھے کام انجام دیے لیکن ان کی نیت اتنی مخلص نہیں تھی، جتنی مخلص نیت ایسے کاموں اور کارناموں کے لیے ضروری اور لابدی ہوتی ہے، ہونی چاہیے!! گویا یک در گیر و محکم گیر کا اصول ان کے لیے کچھ زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا!

اب ایک دوسرا ماجرا سنیے:

انیسویں صدی کے آغاز میں موسم بہار کی ایک حسین صبح کو بعض لڑکے ایک میدان میں کھیل کود رہے تھے، یکایک ان کے کانوں میں کسی کے کراہنے کی دردناک آواز آنے لگی، انھوں نے کھیل چھوڑ دیا اور غور کرنے لگے یہ کون ہے جو درد سے کراہ رہا ہے؟ انہی لڑکوں میں سے ایک نوجوان شخص ہنری ہیکمان اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اس طرف دوڑا جدھر سے کراہنے کی آواز آرہی تھی۔ وہاں پہنچا تو اس نے ایک غریب مزدور کو زمین پر پڑا ہوا پایا، جو ایک عمارت کی سب سے اونچی سیڑھی پر سے گر پڑا تھا اور چوٹ کی تکلیف سے بُری طرح چلّا رہا تھا۔ بہت سے لوگ اس کے ارد گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے، اتنے میں ایک ڈاکٹر آیا، اور اس نے عمل جراحی کے لیے مریض کو دواخانے پہنچانے کی ہدایت کی، لوگ اسے اٹھا کر لے جا رہے تھے مگر وہ بیچارہ غم آگیں آواز میں کہہ رہا تھا

"میرے پاس پیسہ کہاں ہے جو ڈاکٹر کی فیس ادا کروں؟"

ڈاکٹر کی فیس!

اس دلدوز نظارہ نے ہنری ہیکمان پر بڑا اثر کیا، اور وہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ چھاڑ سخت غم والم کی حالت میں گھر روانہ ہوا اور بار بار یہی الفاظ زبان سے دوہرانے لگا:

"میرے پاس ڈاکٹر کی فیس ادا کرنے کو پیسہ کہاں ہے؟"

حساس دل ہر زمانے میں اور ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، یہ دکھ درد،

فقر و غربت، بیچارگی اور فاقہ کشی کے مناظر دیکھتے ہیں تو ان کا دل بھر آتا ہے، آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں، یہی وہ تاثیر ہے جس نے گوتم بدھ جیسے شہزادے کو قصر شاہی سے نکلوایا، اور اس کے لیے "نروان" کی راہ کھولی، یہی وہ اثر ہے جس نے بے درد صیادوں اور شکاریوں کو تارک الدنیا فقیر بنا دیا یہی وہ چیز ہے جس نے فلسفۂ لذت کے پرستاروں کو زاہد و مرتاض بنا دیا، لیکن ان میں اور ہنری میں یہ فرق ہے کہ ہنری نے زہد و عبادت کا سہارا نہیں لیا بلکہ دردمند انسانیت کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر دینے کا تہیہ کر لیا، اور صرف اسی مقصد جلیل کو سامنے رکھ کر اس نے ڈاکٹری کی تکمیل کی، تاکہ فقرا کا غریبوں اور ناداروں کا، طبیب بن جائے، وہ ایسے لوگوں کا معالج بننا چاہتا تھا، جن کی جیب خالی ہو، جو ڈاکٹر کی فیس ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں،

جلاّد یا سرجن؟

اعمال جراحی جتنے قرون وسطیٰ میں صعوبت انگیز تھے۔ ہنری کے زمانہ میں بھی ان کی تکلیفیں اتنی ہی اور ویسی ہی موجود تھیں، جس مریض کو عمل جراحی کے لیے تیار کیا جاتا اس بیچارے کو پھانسی پانے والے مجرم سے تشبیہہ دی جاتی، جو پھانسی کے تختے پر جانے تک دن اور گھڑیاں گنا کرتا ہے، اور پھر اپنے آپ کو جلاّد کے حوالے کر دیتا ہے!

ہنری بڑا نرم دل تھا، مریض کی چیخ کا برداشت کرنا اس کے لیے

ناممکن تھا ، اس کے نزدیک یہ بات طب کے لیے شرمناک تھی کہ مریض تکلیف کی شدت سے بے حال ہو جائے ، اور اس شدت تکلیف کا کوئی مداوا طب نہ مہیا کر سکے ، وہ جب کسی مفلس پر عمل جراحی کرتا تو اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے نشتر مریض کے جسم میں نہیں خود اس کے دل میں پیوست ہو رہا ہے ،

کچھ مدت بعد مشاغل اور فرائض نے مجبور کیا کہ وہ شہر شونال پہنچ کر وہاں کے نائب طبیب کی حیثیت سے کام کرے ، اس موقع سے اسے بہت فائدہ پہنچا ، کیونکہ شونال ڈاکٹر بڈوس کا وطن تھا ، جس نے سونگھنے کے ذریعہ امراض صدر کا طریقۂ علاج دریافت کیا تھا ، جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کہیں آچکا ہے ، لوگ اس طریقہ سے خاصے مانوس ہو چکے تھے ، اور شونال کے باشندے ڈاکٹر بڈوس کا ذکر بہت فخر و ناز کے ساتھ کیا کرتے تھے کیونکہ وہ ان کا ہم شہر تھا ، اور صاحب کمال !

ان باتوں نے ہنری کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ گیس کے ذریعہ سن کرنے کے طریقہ پر پھر نظر ڈالے ، اس مقصد کے لیے اس نے پرسٹلے ، ڈیوی ، فریڈے کی تصانیف کی طرف رجوع کیا ، پھر چوہوں ، کتوں اور پرندوں پر تجربات کا سلسلہ شروع کر دیا ، اب صرف اتنی کسر رہ گئی کہ حضرت انسان پر اور اس کی آزمائش کر لی جائے ، ہنری نے یہ خیال اپنے ایک دوست ڈاکٹر نائٹ[1] سے ظاہر کیا ، یہ اسی رائل سوسائٹی کا ایک رکن تھا

---

(۱) Knight

جس کا صدر ڈیوی اور معین فریڈے تھا، اس لیے یہ دونوں بھی ہنری کے نتائج امتحان سے واقف ہوتے تھے!

نیا مشغلہ!

ڈیوی اس زمانہ میں ایک دوسرے کام ——— صنعتی کیمیا ——— میں منہمک تھا، اور اب ہنسانے والی گیس کے بارے میں کوئی بات سننا پسند نہیں کرتا تھا، اور فریڈے کیمیا اور برق پر اپنے تجربات میں لگا ہوا تھا، ہنری نے لندن کے جمعیتہ الاطبا کا قصد کیا وہاں پہنچا اور معرکہ آرا تقریریں کیں، مگر دگوں نے مذاق اڑانے اور عداوت کا مظاہرہ کرنے کے سوا کوئی اور بھلائی اس کے ساتھ نہ کی، یہاں سے بددل اور مایوس ہوکر اس نے پیرس کا رخ کیا، اور بادشاہ شارل دہم سے استدعا کی اسے اپنی تحقیقات کے نتائج مجمع العلمی (اکاڈمی) میں پیش کرنے کی اجازت دی جائے، فرانس کے اطبا بھی انگریز اطبا سے کچھ کم سرد مہر نہ ثابت ہوئے، صرف ایک شخص ایسا تھا جس نے ہمدردی کا رویہ اختیار کیا، یہ نپولین کا سرجن ہولارے تھا، کئی جنگوں میں اس کے ساتھ رہ چکا تھا، اور جنگ کے زخمیوں کو جو جو تکلیفیں پہنچتی ہیں انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا، نہ جانے کتنے جگر فگار اور دلدوز حادثے اس کے صفحۂ قلب پر مرتسم تھے، ڈاکٹر ہولارے نے اپنے دوستوں سے اصرار کیا کہ ہنری کے تجربات و نتائج پر غور کریں، اس میں آخر حرج ہی

کیا ہے، بس یہی نا کہ تھوڑا سا وقت صرف ہوگا؟ مگر ہولا رسے کے دوست اس تجویز سے متفق نہیں ہو سکے، اتنی اہم چیز کے لیے وہ اپنے وقت کا کچھ حصہ بھی نہ نکال سکے!

ہمت بلند!

اب ہنری ناکامی و نامرادی کا داغ لیے ہوئے پھر انگلستان واپس آیا، اس کی ہمت اب تک بلند تھی، اس نے اب تک ہتھیار نہیں ڈالے تھے اور ایک لمحہ کے لیے بھی مایوسی کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیا تھا، اس کی یہ حالت آخر وقت تک رہی، اور آخرکار حالات کا مقابلہ کرتے کرتے صرف ۲۹ سال کی عمر میں وہ اس دنیا سے چل بسا!

نتیجہ یہ ہوا کہ دواخانے اور ہسپتال مریضوں کی چیخوں اور آہوں سے گونجتے رہ گئے، بالکل اسی طرح جیسے از منۂ وسطیٰ میں جراحوں کے خیمے اور حجاموں کی دوکانیں گونجتی رہتی تھیں، ڈیوی ایک مدت پہلے ہنسانے والی گیس اور فریڈے ایتھر کی مخدر تاثیر دریافت کر چکا تھا، اور اسٹورز کی مارفین (افیون) کی دریافت بھی پرانی ہو چکی تھی، اور ہنری مریضوں کو سُن کرنے کے لیے ہنسانے والی گیس کے استعمال پر زور دے کر للکا رچکا تھا، یہ سب کچھ تھا مگر جیسا کہ بوسٹن کے ایک ڈاکٹر بیجلو نے کہا تھا:

" انسانیت مخدرات کے انکشاف سے خوش ہونے اور اس کی داد دینے کے بجائے ایسا معلوم ہوتا ہے، ایتھر سونگھے

بیٹھی ہے، اور ایک گہری نیند میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہے ——————!"

تغافل اور بے پروائی!

فلبو[1] انیسویں صدی کے عظیم المرتبہ فرانسیسی سرجنوں میں سے تھا، اس کے ایک قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخدرات کے سلسلہ میں دنیائے طب نے کس درجہ تغافل اور بے پروائی کا ثبوت دیا ہے، وہ کہتا ہے:

"اعمال جراحی میں تکلیف کو دور کر دینے کا خیال ایک ایسا خواب ہے جسے ہم اپنی زندگی میں نہیں دیکھ سکتے۔ نشتر اور تکلیف یہ تصویریں ایسی ہیں جو مریض کے ذہن سے جدا نہیں ہوتیں اور ہم سرجنوں کا اس مشارکت پر راضی رہنا لازمی ہے۔"

"ماجندی" جو اس زمانہ کے مشہور ڈاکٹروں میں سے تھا، اس کی رائے بھی بالکل وہی تھی جو اس کے ہمعصروں کی تھی، وہ یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ مریض سوتا رہے، اور چیر پھاڑ کرنے کے لیے اس کے جسم کو افسردہ کر دیا جائے!

یہ انسانیت بھی کیسی عجیب شے ہے؟

یہ یوں تو آلام و اسقام کے بوجھ سے دبی جاتی ہے مگر جب کوئی اسے اس بندالم سے رہائی کا راستہ بتاتا ہے تو اسے دودھ کی مکھی

---

(۱) Velpeau

کی طرح نکال پھینکتی ہے، اور جب اس کی ہڈیاں قبر میں سڑ گل جائیں تب یہ اس کی قبر پر پھول چڑھانے، اس کی یادگار تعمیر کرنے اور اسے زندہ جاوید بنانے کی دھن میں لگ جاتی ہے، زندگی میں اس کا طرز عمل کچھ اور ہے، اور مرنے کے بعد بالکل متضاد اور برعکس!

جہالت اور بے بصیرتی

اس صورت حال کا سبب صرف حسد ہی نہیں بلکہ جہالت اور بے بصیرتی بھی ہے، جس زمانہ میں ہنری ہیکمان اطبائے لندن کے سامنے اپنے اکتشاف کا ذکر کر رہا تھا، عین اسی زمانہ میں ایک اور طبّاع ماہر اسٹیفنسن[1] نے لیورپول مانچسٹر لائن کے انجنیروں کے سامنے اپنی ایجاد "فولادی گھوڑا" (ریلوے انجن) پیش کی، یہ غریب بھوک سے جاں بلب ہو رہا تھا، مگر دماغ ایجاد و اختراع کے مادہ سے بھرپور تھا، اس کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھا گیا جو اس کے پیشروؤں کے ساتھ رکھا گیا تھا، یعنی بے التفاتی!

اگر جفاکشی اور محنت کی محبت، ——— جس میں انگریز بجا طور پر بہت مشہور ہیں ——— اسے نہ سنبھالتی تو یہ بھی ریلوے لائن کی تکمیل سے بہت پہلے اپنی قوم کی بے پروائی اور تغافل کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھ چکا ہوتا، آخر قوم کے اکابر نے کچھ عرصہ بعد انھیں میں

---

(۱) Stephenson

اصیل گھوڑے اور ریلوے انجن کی دوڑ مقرر کی، جس میں قدرۃً اسٹیفنسن کی ایجاد بازی لے گئی۔ تب جاکر یہ لوگ اس کے استعمال پر مجبور ہوئے، پھر بھی ایک مدت مدید اور عرصۂ دراز تک لوگوں کا یہ حال رہا کہ وہ ریل کو ایک شیطانی چرخہ ہی خیال کرتے رہے،

اس طرز عمل کا راز کیا ہے؟

قدیم وجدید کشمکش!

یہ راز قدامت اور جدت کی کشمکش میں نہاں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک لعنت ازل سے انسان کے پیچھے لگی ہوئی ہے، جب کوئی ایسا شخص پردۂ غیب سے ظاہر ہوتا ہے جو دکھ اور تکلیف دور کرنے پر قدرت رکھتا ہے، تو دفعتًہ وہ لعنت نمودار ہوجاتی ہے، اور مکروفریب دغا اور جعلسازی، جھوٹ اور تہمت، الزام اور دھوکہ کا لباس پہن کر اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتی، پھر حال یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی آنکھیں تو ہوتی ہیں، مگر انھیں کچھ نظر نہیں آتا، کان بھی ہوتے ہیں، مگر انھیں کچھ سنائی نہیں دیتا، اور دل بھی ہوتے ہیں لیکن کسی شے کا شعور نہیں ہوتا!——!

باب ۱۱

ایتھر کی کارفرمائیاں

علم وفن نے ایک نئی کروٹ لی، زمانہ چند قدم اور آگے بڑھا، تجدید کا راز اور اس کی اہمیت ہنوز چشم عالم سے مستور تھی، اس سلسلہ میں چند عجیب قسم کے حالات اگر رونما نہ ہوتے، اور یہ گتھیاں سلجھ نہ جاتیں تو ڈے وی فریڈے اور ہنری کی تحقیقات زمان ومکان کی قید سے باہر نہ نکلتیں اور دنیا کو اس سے استفادہ کا موقع نہ ملتا،

دلچسپ تاریخ!

ان نادر حالات کے دلچسپ تاریخ سے اکثر لوگ ناواقف ہیں، یہ تاریخ ان انقلاب عالم کی بڑی اچھی تصویر ہے جو عقل انسانی کو رسوم ورواجات کی قید گراں سے آزاد کرنے اور عادت، عقیدے اور وہم کے اثر انداز ہونے سے قبل محض عقلی اقتضاء سے رونما ہوتے!

ہنسانے والی گیس اور ایتھر کا فعل صرف جسم اور اعضا کو سُن کر دینے ہی تک محدود نہ تھا، بلکہ اس میں ایک اور امتیازی خصوصیت بھی پائی جاتی تھی، کہ ایتھر انسان پر نشہ کی طرح چھا جاتا تھا،

بالکل شراب جیسا نشہ، یہی نشہ آور کیفیت دردمند انسانیت کی

کراہتی ہوئی اور چیختی ہوئی انسانی فریاد کا جواب اور علاج بن کر نمودار ہوئی، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ چند نوجوان طلبا اپنی فرصت کے اوقات کیمیائی تجربات میں صرف کر رہے تھے، ان تجربات کی نوعیت شعبدوں کی سی تھی، گویا یہ تجربے محض تفریح و تفنن کا سامان بنے ہوئے تھے، اتفاقاً انھیں دقتی اور تجربات کے دوران میں ان طلبا نے گیس کے سونگھنے کے بعد انسان کی جو حالت ہوتی ہے اور وہ جن کیفیات سے گزرتا ہے انھیں دیکھا اور لہو و لعب کا ذریعہ بنا دیا، آہستہ آہستہ ان مشاغل نے فیشن کے ملبوسات کی سی حیثیت اختیار کر لی، جنھیں لوگ اپنے گھروں اور مجلسوں میں استعمال کیا کرتے ہیں،

موازنہ و مقابلہ!

مگر یہ صورت انگلستان میں پیش نہیں آئی، جہاں کا نوجوان بیرن اور شیلے کے اشعار کے نشہ کو ہر نشہ پہ ترجیح دیتا تھا اور شعر و ادب کے صرف شعر و ادب کے نشہ میں مست تھا، نہ جرمنی میں اس قسم کے حالات پیش آئے، جہاں زمانہ بھر کی بیماری اور آزار کا ہر دن نشیمن بنا ہوا تھا جیسا ایک پرانے شاعر نے کہا ہے

خنجر لگے کسی کے تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

فرانس بھی اس صورت حال کا شکار نہ تھا، اگرچہ حریت فکر اور

ذہن کی آگ وہاں بھڑک رہی تھی، یہ ایک ایسا زمانہ تھا، جب یورپ شک و یقین، رجائیت اور قنوطیت، قدامت اور تجدید، حُریّت و استبداد کے درمیانی مرحلہ سے گزر رہا تھا، اب تک سکون اور یکسوئی کے ساتھ اسے نظریات قائم کرنے، ان کا تجربہ کرنے، اور انھیں برسرِعمل لانے کا بہت کم موقعہ ملا تھا، سارا یورپ انتشار اور کشمکش کے دوراہے پر کھڑا تھا،

لیکن امریکہ؟ ——————— ؟

امریکہ ان مختلف اور متضاد موثرات سے بہت دور تھا، وہ بے فکری اور یکسوئی کے ساتھ چین کی بنسری بجانے میں مشغول تھا، یہی وجہ تھی کہ وہاں کے طلبا، لہو و لعب اور تفریح و تفنّن کے لیے کافی سے زیادہ وقت نکال لیتے تھے، اس زمانہ میں طبیعیات اور کیمیات کے طلبا گیس سے دلچسپ تجربات میں بڑی دلچسپی اور شوق کے ساتھ مصروف و منہمک تھے اسی شوق کے باعث وہ اپنے اسباق میں پابندی سے شریک ہوتے اور توجہ سے اپنا سبق سنتے گیس کے سونگھنے والوں سے جو عجیب اور مضحکہ خیز حرکتیں سرزد ہوتیں، ان سے خوب لطف اندوز ہوتے ان طلبا میں بعض ایسے جواں ہمت اور نڈر طلبا بھی تھے جو اساتذہ کے سامنے خود اپنے آپ کو تجربہ کے لیے پیش کر دیتے اور پھر نشاط و انبساط کے عالم میں ناچنے لگتے، کیونکہ گیس کے سونگھنے

کا اثر یہی ہوتا تھا، نشاط و انبساط کی کیفیت بدلنے کے بعد جب افاقہ ہوتا تو استاد کے سامنے پوری شرح و تفصیل سے ان کیفیات اور احساسات کا نقشہ پیش کر دیتے، جن کے تجربے سے گیس سونگھنے کے دوران میں وہ گزرے ہوتے، اس کے بعد باہمی گفت و شنید اور بحث و مباحثہ میں شریک ہو جاتے، ایک اعتراض کرتا دوسرا جواب دیتا، ایک شبہات پیش کرتا دوسرا انھیں رفع کرتا، پھر یہ تجربات اور تجربات کے نتائج صرف حلقۂ درس ہی تک محدود نہ رہتے، بلکہ گھروں میں، کلبوں میں، جلسوں میں اور ضیافتوں میں بھی، گیس پر تجربات کا سلسلہ جاری ہو گیا اور یہ فیشن اتنا بڑھا کہ اس قسم کے تجرباتی جلسوں کو "ایتھر کی دعوت" کے نام سے موسوم کرنے لگے، امریکی نوجوانوں نے یہ ضیافتیں اور اس قسم کے جلسے روزمرہ کا مشغلہ بن گئے تھے،

نیا امکان!

ان حالات نے تجارت پیشہ لوگوں کے لیے کامیابی کا ایک نیا امکان اور وسیع میدان پیدا کر دیا، انھوں نے روپیہ بٹورنے اور نفع کمانے کا اسے ایک اچھا اور معقول وسیلہ سمجھا، پروٹسٹنٹ فرقہ کی ایک جماعت لہو و لعب کی اکثر صورتوں کو ——— تاش کھیلنا، شراب پینا، ریس میں حصہ لینا ———

حرام سمجھتی تھی، ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے ان لوگوں نے سفری تھیٹر بنائے شہر شہر اور قریہ قریہ کا گشت شروع کر دیا، جہاں پہنچتے وہاں علمی تقریروں کے ساتھ ساتھ عملی تجربوں کا اہتمام و انتظام بھی کرتے، مقرر اپنی تقریر کے دوران میں ہنسانے والی گیس کا نام لینے سے اجتناب کرتا اس کے بجائے گیس کا علمی اور اصطلاحی نام اکسائڈ آف نائٹروجن لیتا، اور یہ فیصلہ سامعین پر چھوڑ دیتا کہ اس گیس کے تجربے جو لذت محسوس ہوتی اس کا پتہ خود چلائے، اس موقعہ کے لیے تمام ضروری اشیا مقرر کے تھیلے میں موجود ہوتیں، وہ راستہ کے ایک جانب ممبر رکھ دیتا اور آس پاس تجرباتی آلات و اسباب پھیلا دیتا، پھر اپنے سامعین کو بڑے اچھے الفاظ میں گیس سونگھنے کی دعوت دیتا، مجمع میں جو لوگ دلیر اور نڈر قسم کے ہوتے، یہ دعوت فوراً قبول کر لیتے، پھر عین اس وقت جب عوام گیس کے تجربات کا مشاہدہ کرنے اور لکچر سننے میں منہمک ہوتے تو مقرر آگے بڑھ کر اس دلچسپ تماشہ کی اُجرت وصول کرنے لگتا اور اچھی طرح جیب گرم کر کے آگے بڑھ جاتا،

مظاہروں کی مقبولیّت

ان چلتے پھرتے لکچروں نے بڑے دوررس اثرات پیدا کیے، نوجوانوں کو مظاہروں سے بڑی دلچسپی ہوئی اور رفتہ رفتہ ان مظاہروں نے بڑی مقبولیّت حاصل کر لی، جب یہ سفری مقرر واپس چلے جاتے تو یہ عوام

خود اپنی مخصوص مجلسوں میں اس قسم کی تفریح کا انتظام بڑے چاؤ اور شوق سے کرتے ، ان مجلسوں میں مقامی لوگوں کی بہت بڑی تعداد شریک ہوتی نوجوان طبقہ میں سے قریب قریب ہر شخص مقرر بن گیا ، اور اس طریقہ سے قدرت نے ان میں سے بعض کے ہاتھوں ایتھر کی خواب آور یا مخدر خاصیت کا انکشاف کرادیا ،

یرالوٹ اجتماع!

اس واقعہ کی اطلاع ایک چھوٹے سے شہر اثنیہ سے ہوئی ، جو جارجیہ کے مضافات میں واقع ہے ، وہاں کے نوجوان ایک شخص کے مکان میں جو بستی سے بالکل الگ تھلگ تھا ، ہفتہ میں کئی بار اکٹھا ہوتے ، ان کے اس اجتماع کا باعث ایک طالب علم تھا ، جس کا نام ولہیت تھا ایک روز شام کے وقت یہی مشغلہ جاری تھا کہ ولہیت کی نظر دو بڑی سیاہ آنکھوں پر پڑی جو کھڑکی کے شیشہ سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں ، یہ تیزی کے ساتھ باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے ، ایک کم عمر غلام وہاں کھڑا ہے ، اور ان لوگوں کی عجیب و غریب حرکات کے مشاہدہ سے لطف اٹھا رہا ہے ، ولہیت اسے پکڑ کر اندر لے آیا اور گیس سونگھنے پر مجبور کیا ، اس نے پہلے تو انکار کیا اور انکار پر اصرار کرتا رہا ، پھر یکایک خاموش ہوگیا ، آنکھیں بند ہوگئیں ، ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور موت کی سی کیفیت طاری ہوگئی ، حاضرین گھبرائے انھوں نے اسے ہلانا اور جھنجھوڑنا شروع کیا ، مگر ہوش میں لانے کی کوئی تدبیر

سمجھ میں نہ آئی ، ایک شخص گیا اور ڈاکٹر کو لے آیا جس نے اس کو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دے اور قلب کی جانب سینہ کو زور زور سے مل دینا شروع کیا ، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ، پھر اس کے منہ پر بڑے زور سے طمانچہ مارا ، اب غلام ہوش میں آیا اور دونوں آنکھیں کھول گیا ایک مدہوش آدمی کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا ، اس واقعہ سے یہ کھلندرے پریشان ہو گئے ، اور انھوں نے ڈاکٹر سے وعدہ کیا کہ اب کبھی ایسا نہ کریں گے ،

گہری نیند !

یہ پہلا حادثہ تھا ، جس سے کوئی قطعی نتیجہ برآمد نہ ہوا ، جو لوگ جلسے میں مدعو تھے انھوں نے تاویل کر لی کہ غلام پر جو نشہ طاری ہوا تھا اس نے گہری نیند کی صورت اختیار کر لی تھی اور بس ، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بیہوشی کا انکشاف جو بالکل اتفاقی طور پر ہوا تھا ، اپنی اہمیت محسوس نہ کرا سکا ، اور یہ لوگ بان بوجھ کر ، دیکھ سن کر بھی انجان اور لاعلم بنے رہے ،

اس واقعہ کے تین سال بعد ایک سفری مقرر ، جفرسن نام کے ایک مقام پر آیا ، جو ریلوے اسٹیشن سے ۱۲۰ کیلو میٹر کے فاصلہ پر تھا ، یہ چھوٹا سا گاؤں تھا ، جو کپاس کے وسیع کھیتوں کے درمیان واقع تھا ، سفری مقرر کی آمد کا حال معلوم کر کے کالے ، گورے ، مرد اور عورت سب تفریح کا ایک نادر اور دلچسپ موقع سمجھ کر اکٹھا ہو گئے اور گیس کے تجربات کا مشاہدہ بھی کیا ، اور خود ذاتی طور پر بہتوں نے تجربہ بھی کیا ، بڑی دلچسپی رہی ، اور

حاضرین میں سے ہر شخص کافی لطف اندوز ہوا ،

اس گاؤں کا ڈاکٹر ایک خوبصورت ، خوش قطع اور فصیح البیان شخص تھا ، اس کا نام " لانگ[1] " تھا۔ اتفاق سے اس موقع پر یہ کہیں چلا گیا تھا واپس آیا تو دیکھا گھر ملاقاتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ انھوں نے اسے دیکھتے ہی اپنے مشاہدہ کا حال بیان کرنا شروع کر دیا ، اور سب ہی لوگ اس سے گیس کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے لگے ، وہ بجز اس کے اور کچھ نہ کر سکا کہ ایتھر میں بھگویا ہوا ایک رومال لے آیا ، اور انھیں سنگھانے لگا جب ان لوگوں کو کچھ نشہ ایسا محسوس ہوا تو اس نے ان سے کہا

" تم سمجھ سکتے ہو اس سفری مقرر نے جو کچھ تمھارے سامنے کیا ہے ، وہ تمھارے ڈاکٹر سے پوشیدہ نہیں ہے ، نہ اس کی نظر میں یہ کوئی بہت بڑا کام ہے ، ! "

ایتھر کا شوق !

اس واقعہ سے انھیں بڑی حیرت ہوئی ، اور ان کے دل میں ایتھر کا شوق کچھ اور زیادہ بڑھ گیا ، اب تو یہ لوگ روزانہ ڈاکٹر کے ہاں آنے لگے تاکہ ایتھر کے بارے میں وہ اپنے تجربات ان کے سامنے دہرائے ، اب اس کا گھر اہل ادب اور اہل فن اور طالب علموں سے بھرا ہوا تھا ، لوگ یہاں جمع ہوتے ادھر ادھر کی باتیں کرتے ، شراب پیتے ، شطرنج کھیلتے ،

(۱) Long

لیکن ایتھر کے کرشمے دیکھ کر سارے مشاغل اور دلچسپیوں سے دستبردار ہو گئے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ اس نئے معبود کے پجاری بن بیٹھے،

جفرسن میں ایتھر کی یہ دعوتیں اور ضیافتیں بہت مشہور ہوتیں، اس نواح کی لڑکیوں میں بھی اس کا اشتیاق بہت ترقی کر گیا، مس کارولین سوین کی قیادت میں لڑکیوں کا ایک وفد ڈاکٹر لانگ کے پاس پہنچا اور مطالبہ کیا کہ ایک خاص جلسہ کا اس سلسلہ میں انتظام کیا جائے، اور یہ جلسہ صرف لڑکیوں ہی کے لیے مخصوص ہو، مس کارولین بڑی حسین و جمیل اور خوش اندام لڑکی تھی، اس کی پہلی ہی نظر نے ڈاکٹر لانگ کے دل کو موہ لیا، وہ مسحور ہو گیا، اور اس کی بات نہ ٹال سکا، چنانچہ اس نے جلسہ کیا، اور پھر تو اس طرح کے کئی جلسے ہوئے، ان جلسوں میں وہاں کی لڑکیوں نے ایتھر کے ساحرانہ اثرات کا اپنی ذات پر تجربہ کیا، اور ان تجربات میں ڈاکٹر لانگ برابر ان کا شریک و رفیق کار بنا رہا،

مشاہدات اور تحقیقات!

ڈاکٹر لانگ ایک دور اندیش اور متفکر طبیب تھا، اس نے اپنے ہاں کے ان اجتماعات کو صرف تفریح و تفنن ہی کی حد تک محدود نہ رکھا، بلکہ ان سے مشاہدہ اور تحقیقات کا کام بھی لیا، گیس کے نشہ کی حالت میں اسے جو ضربات پہنچتیں یا چوٹیں آتیں، انھیں غور سے دیکھا اور محسوس کیا کہ ان چوٹوں کی وجہ سے اس کے جسم میں کچلے جانے اور نیل پڑ جانے کے نشانات

باقی رہ جاتے ہیں، یہی صورت اسے اپنے علاوہ اور لوگوں میں بھی نظر آئی، چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر یہ گیس سنگھا دی جائے تو عمل جراحی بلا احساس اذیت کے کیا جا سکتا ہے، اس خیال کی توثیق کے لیے اس نے اپنے ایک دوست پر تجربہ کیا، اس کی گردن میں ورم پیدا ہو گیا تھا اسے گیس سنگھا کر بغیر کسی تکلیف کے چیرا پھاڑا اور اچھا کر دیا، ڈاکٹر لانگ نے خود اپنی ذات پر اس کا تجربہ نہیں کیا، نہ اس عمل تخدیر کو ہپناٹزم کی طرف منسوب کرنے کی جرات کی، بلکہ یہ خیال کیا کہ اس آپریشن میں بعض مقناطیسی یا سمری قوتیں اس کی معین و مددگار تھیں، بہرحال اس آپریشن میں اسے کامیابی ہوئی، شہرت وہ پہلے ہی حاصل کر چکا تھا، اور زیادہ دور و دراز گوشوں تک مشہور ہو گیا، لوگوں کی توجہ اور عقیدت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا،

لیکن ڈاکٹر لانگ کو یہ شہرت اور مقبولیت بہت مہنگی پڑی!

شیطانی دوا!

اس کے بھی بہت سے حاسد پیدا ہو گئے، ان حاسدوں نے اس کی نسبت جھوٹی باتیں مشہور کرنا شروع کر دیں، اس بات کا چرچا ہونے لگا کہ وہ ایک مہلک شیطانی دوا استعمال کرتا ہے اس الزام نے عقیدت مندوں کو بدعقیدہ کر دیا، وہ اب اس کے نام سے بدکنے لگے، وہی گھر جو ہر وقت قدرشناسوں اور عقیدت مندوں سے

بھرا رہتا تھا، اب ویران اور سنسان ہوگیا، بھائیں بھائیں کرنے لگا وہی کسان جو اسے دیکھ کر یہ سمجھتے تھے کہ مسیحا کا دیدار کرلیا، اب اسے شیطان سمجھنے لگے تھے، ایک کسان نے جو پہلے اس گیس کا تجربہ کرچکا تھا، تجربہ کے اعادہ سے صاف الفاظ میں انکار کردیا،

ایک مرتبہ ڈاکٹر لانگ کے پاس ایک ایسا غلام آیا جو انگلیاں جل جانے کی وجہ سے سخت تکلیف اور اذیت میں مبتلا تھا، ضروری تھا کہ اس کی دو انگلیاں فوراً کاٹ دی جاتیں، لانگ نے یہ تجویز اس کے سامنے پیش کی، تو وہ فوراً آمادہ ہوگیا، چنانچہ اسے ایتھر سنگھایا گیا، اور ایک انگلی قطع کردی گئی، مریض کو ذرا بھی تکلیف اور اذیت محسوس نہ ہوئی، پھر لانگ نے تھوڑے عرصہ کے لیے اسے چھوڑ دیا، جب ایتھر کا اثر بالکل جاتا رہا تو دوسری انگل بھی بغیر ایتھر سنگھائے کاٹ ڈالی جس سے غلام کو ناقابل برداشت تکلیف ہوئی، اور درد سے بے حال ہوگیا!

جرأت رندانہ!

اب وقت تھا کہ لانگ اپنے اندر جرأت رندانہ پیدا کرتا، اور سمجھ لیتا کہ یہ ایتھر ہی کی خواب آور خاصیت تھی جس سے مریض کو درد و تکلیف نہ ہوئی، اس عمل اور کیفیت میں کسی قسم کی مسمری قوت و طاقت کو ذرا بھی دخل نہ تھا، لیکن لانگ یہ نہ سمجھ سکا، وہ اسے مسمری قوت و طاقت کا کرشمہ سمجھتا رہا، مزید ستم یہ ہوا کہ یقین و عقیدہ کی کمزوری شفاخانوں اور

تجربہ گاہوں سے دوری الزامات لگانے والے مزارعین کی جہالت نے لانگ کی قوت فیصلہ اور قوت عمل کو معطل کر دیا، حد ہو گئی، اس کے کئی نوکروں نے " اسٹرائک " کر دی ' اور شیطانی کام میں رفاقت سے صاف انکار کر دیا، وہ اس وقت تک کام پر واپس نہ آئے جب تک اس نے ایتھر کو خیرباد کہہ کر پھر سے نوک نشتر کا تکلیف دہ، اور اذیت رساں استعمال نہ شروع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ لانگ کا اکتشاف موضع جیفرسن ہی میں دفن رہ گیا اور دنیا اس اکتشاف سے ذرا بھی فائدہ نہ اٹھا سکی —————— ! '

ماہ ستمبر ۱۸۴۴ء کی ایک صبح کو طبیب دنداں راس ولس جس کی عمر ۲۶ سال تھی اپنے مطب واقع ہرنفورڈ میں بیٹھا ہوا ایک روزنامہ اخبار پڑھ رہا تھا دفعتہ اس کی نگاہ ان سطور پر پڑی :

" سہ شنبہ ۱۰ ستمبر کو ہنسانے والی گیس سونگھنے کے لیے یونین کے ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جائے گا، عوام کے لیے دو سو لٹر گیس تیار کی گئی ہے، حاضرین کی صف اول میں آٹھ طاقت آدمیوں کو کھڑا کیا جائے گا تاکہ وہ گیس سونگھنے والوں کی اپنے اوپر یا دوسروں پر زیادتی کرنے سے روکیں، گیس سونگھنے کی اجازت سوائے منتخب اشخاص کے عوام کو نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ جلسہ اپنی علمی نوعیت اور وقار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے، —————— ! "

یہ خبر پڑھنے کے بعد ولس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے گا، جلسہ میں جائے گا، اور اس تجربہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا!

سیر حاصل تقریر!

یہ جلسہ ایک سفری طبیب کالٹن نے منعقد کیا تھا، اس نے اس موضوع پر ایک سیر حاصل تقریر کی، اور ہنسانے والی گیس کے نتائج بیان کیے، پھر لوگوں کو اپنی بہادری کی جرأت دکھانے کے لیے تھوڑی سی گیس خود بھی سونگھی،

اس موقع پر سب سے پہلے کولاے نام کا ایک شخص ممبر پر چڑھا، یہ اس نواح کے ایک بڑے دواخانہ کا کارکن تھا، اس نے ابھی تھوڑی ہی سی گیس سونگھی تھی کہ دیوانوں کی سی طرح حرکتیں کرنے لگا، اچھلنا کودنا ناچنا گانا شروع کر دیا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی حریف مقابل کے سامنے کھڑا ہو، یہی وجہ تھی کہ وہ جوش کے عالم میں دائیں بائیں ہاتھ مار رہا تھا، تماشائیوں کی دوسری صف میں اس کا ایک رفیق کھڑا تھا، جو بے تحاشا ہنس رہا تھا، کولاے کی نظر جب اس پر پڑی، تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پرانا دشمن نظر کے سامنے آگیا ہو، جو رسّی گھیرے کے طور پر بندھی ہوئی تھی، اس کے اندر سے اچھلا، اور ان آٹھوں طاقتور آدمیوں کو جو اسے لوٹانے کے لیے پکڑنا چاہتے تھے ایک ہی دھکے میں پیچھے دھکیلتا

ہوا آگے بڑھا جیسے فیلِ مست !

رفیق نے جو کولائے کو اس طرح اپنی طرف آتا ہوا دیکھا تو یک دم بھاگا، کولائے اس کے تعاقب میں دوڑا، وہ کرسیوں سے ٹکراتا، گرتا گرکر اٹھتا، پھر بڑھتا، پھر جھپٹتا، اسی حالت میں وہ بعض وقت حاضرین کے سامنے جا پہنچتا اور ہاتھ پاؤں چلانے لگتا، جیسے کوئی پہلوان سلح شوری کے جوہر دکھا رہا ہو، تھوڑی ہی دیر میں حاضرین کی مسرت، نزاع و فساد میں تبدیل ہوگئی، لوگوں پر گھبراہٹ اور دہشت کا عالم طاری ہوگیا، مگر خیریت گزری، کولائے ہوش میں آگیا، وہ اپنی جگہ ٹھہر کر آس پاس کے لوگوں کو حیرت سے دیکھنے لگا، جیسے خواب دیکھتے دیکھتے آنکھ کھل ہوگئی، ——— جیسے کوئی چونک اٹھے خواب پریشاں دیکھ کر ——— یہ دیکھ کر حاضرین نے زور سے تالیاں بجائیں اور کولائے مسکراتا ہوا پھر اپنی پہلی جگہ جا کھڑا ہوا !

گہرا زخم !

ڈینشسٹ ولس جو کولائے کا پڑوسی تھا، تقدیر کی کشش سے اس جلسہ میں موجود تھا، اس نے دیکھا کہ کولائے پاؤں میں تکلیف محسوس کر رہا ہے، اب جو چادر کا کونہ اٹھایا تو دیکھا اس کے گھٹنے کے نیچے ایک گہرا زخم ہے، جس سے خون تیزی کے ساتھ بہ رہا ہے معاً ولس کے دل میں خیال آیا کہ یہ جس وقت ناچنے کودنے اور لوگوں کے سر پر سے چھلانگ

لگانے میں مصروف تھا اس وقت زخم کی تکلیف اسے کیوں محسوس نہ ہوئی؟ دل میں یہ خطرہ گزرتے ہی ایک نئی دنیا کا دروازہ اس کے سامنے کھل گیا، اس نے سوچا کہ دانت اکھاڑنے میں گیس کا تجربہ کرنا چاہیے، دوسرے روز صبح کو وہ کولٹن کے پاس پہنچا اور تھوڑی سی گیس مانگی، اور اس سے وعدہ کر لیا کہ اگر اس تجربے میں کامیابی ہوئی تو دونوں نفع میں برابر برابر کے شریک رہیں گے،

اس مقصد کے لیے ولس نے پہلا تجربہ خود اپنے آپ پر کیا، اپنے ایک دوست سے کہا کہ جب کولٹن مجھے تھوڑی گیس سنگھا چکے تو تم میری داڑھ اکھاڑ لینا، جب اس قرار داد کے مطابق داڑھ اکھاڑ لی گئی، اور ولس نے کوئی تکلیف یا اذیت محسوس نہ کی تو وہ نپولین اعظم کا ہمنوا ہو کر ایک دفعہ زور سے چلّا اٹھا ——————" اب مستقبل میرے ہاتھ میں ہے!" ——————!

مطب میں شرکت!

اس سے پہلے جب ولس نے شروع شروع اپنی طبّی سند حاصل کی تھی ایک اور ڈاکٹر سے اس کی شناسائی ہو گئی تھی، جس کا نام مولٹن تھا، یہ دونوں بوسٹن میں شرکت کے ساتھ مطب کرتے تھے، بعد میں حالات سے مجبور ہو کر ولس نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور ہرٹفورڈ چلا آیا، اب جو واقعات پیش آئے ان کی بدولت اس میں ایک نئی امنگ پیدا ہو گئی،

اور وہ ایک نئے جذبہ اور حوصلہ کے ساتھ پھر بوسٹن واپس آگیا، یہاں سب سے پہلے اپنے قدیم شریک کار مولٹن سے ملا اور سارا ماجرا اسے سنا ڈالا، اس نے ولس کو سمجھایا کہ یہ کام جاری کرنے سے پہلے اپنے استاد ڈاکٹر جاکسن سے مشورہ کر لیا جائے، جو کیمیا کے فن میں خاص طور پر بہت مشہور اور مستند مانا جاتا ہے، چنانچہ ولس ڈاکٹر جاکسن سے جاکر ملا، اپنے خیالات، تجربات اور مشاہدات اس کی خدمت میں پیش کر دیے، مگر استاد نے شاگرد کی حوصلہ افزائی نہ کی، اور اس انکشاف سے دستبردار ہونے کا مشورہ دیا، اور کہا "ہنسانے والی گیس ایک خطرہ ہے" اور سائنس اس کے استعمال کی اجازت نہیں دیتی!" —————— شاگرد حوصلہ اور امنگ سے مخمور ہو کر گیا تھا، لیکن استاد نے اسے مایوس اور مغموم واپس کر دیا،

مگر ولس ہمت ہارنا نہ جانتا تھا، وہ مستعدی کے ساتھ گیس کے افعال و خواص کا تجربہ کرتا رہا، اسے یقین تھا کہ جس طرح ہرٹفورڈ میں کامیابی ہوتی ہے، بوسٹن میں بھی ہوگی، اور علمی مجالس اس طریقے کے صحیح ہونے کا بالآخر اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گی،

تجربے کا مظاہرہ

اس طرح ایک عرصہ تک اپنی سرگرمی جاری رکھنے کے بعد ولس نے اس بات کی اجازت چاہی کہ ہارورڈ کے طلبہ کے سامنے اور میڈیکل کالج کے اساتذہ کی موجودگی میں اسے اپنے تجربے پیش کرنے کا موقع دیا جائے

اب حالات ذرا بدل چکے تھے، اچھی طرح سوچ سمجھ کر مورٹن اشتراک و تعاون پر راضی ہوگیا، اس نے اپنے آلات ولس کی تحویل میں دیدیے اور اسے اجازت دے دی کہ وہ مریضوں پر ہنسانے والی گیس کا اپنی ذمہ داری پر استعمال کر سکتا ہے!

لیکن ہوائیں کشتی کے خلاف بھی چلا کرتی ہیں، قسمت نے ولس سے نظریں پھیر لیں، اس کا سفینۂ امید باد مخالف کے تھپیڑوں کی زد میں آگیا، ولس نے اپنے عزائم کے اعلان میں جلد بازی سے کام لیا، اور مقدار خوراک پر تحقیقات کرنے سے پہلے اپنا تجربہ اکابر کی محفل میں پیش کر بیٹھا، اس موقع پر جو مقدار دی گئی وہ بہت کم تھی اس لیے درد و اذیت کی تخفیف میں کچھ زیادہ موثر ثابت نہ ہوئی، اور اس کے بعد جو مقدار استعمال کرائی گئی وہ زیادہ ہوگئی، جو علالت کا سبب بن گئی، حاضرین نے اسے خوب لعنت ملامت کی، اور حقارت سے دیکھتے ہوئے منہ پھیر کر چلے گئے، اس حادثہ کے بعد بوسٹن میں ٹھہرنا ولس کے امکان میں نہ تھا، چنانچہ اس نے بوریہ بستر اٹھایا، اور پھر ہرٹفورڈ واپس آگیا، ——— پھر وہی کنج قفس ——— !

دو حریف!

ڈاکٹر لانگ اور ڈاکٹر ولس، یہ دونوں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے باشندے تھے، ان میں سے ایک جنوبی علاقہ کا تھا، دوسرا مشرقی علاقہ

کا ، ان دونوں کو عالم اسرار کی ایک جھلک دکھائی گئی تھی ، جس کی بدولت وہ انسانیت کو ایسا ہتھیار عطا کر سکتے تھے ، جو درد اور اذیت پر غلبہ پا لیتا ، لیکن خرافات اور اوہام ، جہالت اور ناواقفیت ، حسد اور عداوت جیسے موانع ان کے راستے میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے ، اور انسانیت جس طرح پہلے تکلیفوں کے پنجے میں جکڑی ہوئی تڑپ رہی تھی اسی طرح اب بھی تڑپتی پھڑکتی رہ گئی ، کیونکہ نجات کی گھڑی ابھی تک نہیں آئی تھی ______ ' آنے والی تھی ، لیکن ابھی اس کے آنے میں دیر تھی ' ابھی وہ وسائل مہیا نہیں ہوئے تھے ، جو اسے پردۂ غیب سے عالم شہود میں جلوہ گر کر سکتے ، یہی وجہ تھی کہ لانگ اور ولس دونوں کامیابی کے دروازے تک پہنچ گئے ، لیکن اسے کھول نہ سکے ، کنجی ان کے ہاتھ میں تھی ، قفل سامنے تھا ، پھر بھی ان کا ہاتھ بہک گیا اور یہ باب مراد نہ کھول سکے ، ! !

باب ۱۲

بوسٹن کا ڈینٹسٹ

گزشتہ صدی کے نصف اوّل تک امریکہ میں دندان سازی کی طب حجاموں اور شعبدہ بازوں کے درمیان محدود تھی، ۱۸۴۰ء تک اسے طب کا شعبہ ہی نہیں سمجھا جاتا تھا، اس سال بالٹیمور میں سب سے دندان سازی کا سب سے پہلا مدرسہ قائم کیا گیا، مورٹن جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، دندان سازی کی طب کا اسے بڑا شوق تھا، لیکن مجبوریاں اس شوق کی تکمیل میں مانع تھیں، جب یہ نیا مدرسہ قائم ہوا تو وہ اس میں داخل ہوگیا، اور اٹھارہ ماہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہاں سے سند فراغت لے کر نکلا، فراغت کے بعد اس نے سوچا کہ معالجہ کا کوئی ایسا نیا طریقہ رائج کرے، جس سے شہرت کے دروازے کھل جائیں، اور روپیہ کا ڈھیر لگ جائے، اتفاقاً ایک فرانسیسی طبیب سے اس کی ملاقات ہوئی جس نے ورسیلز میں بادشاہ کی محبوبہ کے بوسیدہ دانتوں پر سونا چڑھایا تھا!

سعی و کوشش

مورٹن نے سوچا کہ اس طریقہ کو آزمائے، شاید کامیابی کی جھلک دکھائی

ویسے چنانچہ اس نے اس کا تجربہ شروع کر دیا، مگر اس عمل سے مریض کو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس لیے اس نے تنویم مقناطیسی، افیون کے سفوف، اور دوسری چیزوں سے درد و اذیت کو زائل کرنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوا، ناکامی برابر قدم چومتی رہی، آخر اپنے معلومات کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے ایک ڈاکٹری درسگاہ میں داخل ہو گیا، شاید میڈیکل تعلیم کی تکمیل اس راز کی گرہ کشائی کر سکے،

اس زمانہ میں ایک ڈاکٹر بڑا حاذق اور کامیاب سمجھا جاتا تھا، بہت مشہور تھا، یہ وہی ڈاکٹر جاکسن تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، مورٹن نے اس سے راہ و رسم پیدا کی، اس کے گھر کے قریب ایک کمرہ کرایہ پر لیا تاکہ اوقات درس کے علاوہ بھی اس سے ملنے، اس کے علم و تجربہ سے مستفید ہونے اور اس کی صحبت سے فیض اٹھانے کا موقع ملتا رہے، جاکسن نے ایک دن دوران گفتگو میں اس سے بیان کیا کہ اگر ایتھر کا ایک ایک قطرہ کسی عضو پر ٹپکایا جائے تو یہ اس حصے کو سُن کر دیتا ہے، پھر اسے تجربے کے لیے ایتھر کی ایک شیشی دے دی!

شوق تجسّس!

لیکن ایتھر ایک اڑ جانے والی چیز ہے، اس لیے اس کا فعل دانت اکھاڑنے یا آپریشن کرنے کے لیے کافی نہ تھا، اس لیے مورٹن کسی ایسی ایجاد کی فکر کرنے لگا جو اس مقصد کے لیے زیادہ کارگر ہو، سوچتے سوچتے

یہ بات اس کے خیال میں آئی کہ اگر پورے جسم کو ایتھر سے سن کیا جا سکے تو اس مسئلے کا حل آسان ہو جائے گا، مگر وہ اس مادہ کے خواص سے واقف نہ تھا، فن کیمیا میں جو معلومات اس سلسلہ میں موجود تھے وہ بالکل ناکافی تھے پھر بھی اس کا شوق تجسس کم نہ ہوا، اس موضوع پر جتنی کتابیں دستیاب ہو سکتی تھیں سب پڑھ ڈالیں، فریڈے کی کتابوں پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ توجہ کی، ان کتابوں کے مطالعہ سے اسے معلوم ہوا کہ جسم پر ایتھر کا اثر ہنسانے والی گیس کے مشابہ ہوتا ہے، اس گیس کی نسبت اسے جو خبریں ملیں اور اپنے قدیم شریک کار ولس کے بارے میں اُس ناکامی کا حال جب معلوم ہوا جو اسے ہارورڈ کالج میں مظاہرہ کرکے ایک موقع پر ہوئی تھی تو وہ اپنے طریق عمل میں بہت محتاط ہو گیا، اس نے ٹھان لی کہ جب تک اس عمل کا قرار واقعی ثبوت نہ مل جائے، اپنی ایجاد کے اعلان میں وہ جلدی نہ کرے گا، اس سے پہلے جو لوگ ایتھر کی دعوتوں اور ضیافتوں میں شریک ہو چکے تھے اور اس کے خطرات کا مشاہدہ کر چکے تھے مورٹن نے جا بہ جا چل پھر کر ایک ایک سے پوچھ گچھ کی، کرید، جستجو کی، معلومات حاصل کیے، لیکن سب کی باتوں میں ایک عجیب قدر مشترک پایا یعنی ہر ایک کا بیان دوسرے سے قطعاً مخالف تھا، اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ خود ہی براہِ راست تحقیق کرے گا، تجربہ کرے گا اور پھر جا کر کوئی قطعی اور آخری رائے قائم کرے گا، اس نے اپنے ایک پڑوسی دوا ساز سے کچھ ایتھر خریدا اور ایک دوسرے گاؤں میں چپ چپاتے چلا گیا، وہاں جا کر کتوں،

پرندوں اور مچھلیوں پر تجربے کرنے لگا، پھر خود اپنی ذات پر بھی تجربے کیے، جب نتیجہ اچھی طرح نکل آیا، تو بوسٹن واپس آیا تاکہ اپنے مریضوں پر تجربہ کرے!

نئے ساتھی!

اس مرتبہ مورٹن نے اپنے پڑوسی دواساز سے ایتھر نہیں لیا، اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ بیچ میں اپنی ٹانگ نہ اڑا دے، اور بنا بنایا کام بگڑ جائے، چنانچہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس نے ایتھر ایک سوداگر سے خریدا، خوش قسمتی سے تجربہ میں مدد دینے کے لیے اور ہر قسم کا اشتراک وتعاون کے لیے دو ساتھی بھی مل گئے، ان پر جب تجربہ کیا گیا، تو نتیجہ خلاف توقع برآمد ہوا، ان ساتھیوں پر تجربہ کے بعد امید یہ تھی کہ زیر تجربہ عضو سُن ہو جائے گا، مگر ہوا یہ کہ ان میں سخت تشنج اور ہیجان کی کیفیت پیدا ہو گئی، یہ دونوں زور شور سے ایک دوسرے کو مارنے پیٹنے لگے، جب ہوش میں آئے، تو دوسرے طریقہ سے پناہ چاہی اور جہاں سے آئے تھے وہاں واپس چلے گئے۔ مورٹن کو اس واقعہ سے بڑی حیرت ہوئی، اور وسائل میں ہر قسم کی وحدت اور یکسانی کے باوجود نتائج کے اس تناقض اور تخالف کا کوئی معقول سبب سمجھ میں نہ آیا، اب اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ جاکسن کے پاس جائے اور اس سے مشورہ کرے، اس سے رہنمائی کا طالب ہو، ساتھ ہی ساتھ یہ

دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ اگر جاکسن اس کے بھید سے واقف ہوگیا، تو کہیں اس کے اکتشاف کو چُرا کر اپنا نہ لے کیونکہ جاکسن سے اس قسم کی بات کوئی زیادہ بعید نہ تھی، اس سے قبل جب ٹیلیگراف کے موجد مورسیس نے اپنی ایجاد کا دعویٰ کیا تو جاکسن نے اعلان کیا، ٹیلیگراف کی ایجاد میں اوّلیت کا فخر مجھے حاصل ہے، برسوں اختلاف کا یہ جھگڑا چلتا رہا، آخر نوبت عدالت تک پہنچی اور وہاں سے اس قضیہ کا فیصلہ ہوا، لیکن ہر قسم کے اندیشہ اور خطرہ کے باوجود جاکسن سے مشورہ کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا بھی چارۂ کار نہ تھا،

مقالی تخدیر!

آخر مورٹن کے دل میں ایک بات آئی، وہ جاکسن کے پاس پہنچا اور اس سے کہا، "استاد میں ہنسانے والی گیس استعمال کرنا چاہتا ہوں" جاکسن نے اسے اس گیس کے استعمال کرنے سے ڈرایا، اور اس کے بجائے ایتھر استعمال کرنے کی ہدایت کی، ایتھر کا نام سنتے ہی مورٹن سُن سے ہوگیا، دل میں ڈرا کہیں جاکسن کو اس بھید کا حال معلوم نہ ہوگیا ہو، کسی نہ کسی طرح اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالا اور کہا

"آپ کا مطلب ایتھر کے ان قطروں سے ہے جو مقامی تخدیر کے لیے ایک دن آپنے مجھ سے بیان کیے تھے"

جاکسن نے کہا:

"نہیں، وہ کلوہ، ریڈ، رِک ایتھر ہے، جو سونگھنے کے لیے کسی طرح موزون اور مناسب نہیں، تمھیں چاہیے کہ مصفا سلفرک ایتھر استعمال کرو، یہ چیز تمھیں میرے پڑوسی دوا ساز بورنیٹ کے پاس ملے گی، میں ایک دفعہ اسے آزما چکا ہوں، مجھے بڑی میٹھی نیند آئی اور خوب سویا"

جاکسن کے ان الفاظ نے مورٹن کو بتا دیا کہ اس کی ناکامی کا سبب کیا تھا؟ یہ بات بھی اس پر واضح ہو گئی کہ گاؤں اور شہر میں جو تجربات کیے گئے تھے، ان کے درمیان اختلاف کا باعث کیا تھا، بات صرف اتنی تھی کہ دوسری مرتبہ جو ایتھر استعمال کیا گیا وہ مصفا نہ تھا، چنانچہ مورٹن نے مصفا ایتھر مہیا کیا، تھوڑا سا اپنے اوپر تجربتہً استعمال کیا، تو دس پندرہ منٹ کے لیے اس پر گہری نیند طاری ہو گئی، ظاہر ہے یہ مدت دانت اکھاڑنے کے لیے بہت کافی تھی، ارخمیدس کی طرح وہ دفعتاً چلا اٹھا،

"میں نے پالیا، میں نے پالیا"

ایک اکتشاف!

اس کے بعد وہ اپنے اسی ساتھی کے پاس پہنچا جس نے ایک مرتبہ کا تجربہ کرنے کے بعد دوسرے تجربہ سے کان پکڑ لیے تھے، مورٹن نے اسے ساری رام کہانی سنا ڈالی، وہ اتنا جوش میں بھرا ہوا

تھا کہ اس نے یہ بھی انتظار نہ کیا کہ دوسرا دن ہو مریض آ لیں ، تو ان پر اس تجربہ کو دُہرائے ، وہ اپنے اکتشاف کی واقعیت ثابت کرنے کے لیے بیقرار تھا ، اس اپنے ساتھی سے کہا

" تم مجھے ایتھر سونگھاؤ اور جب مجھ پر غفلت طاری ہو تو میری صحیح سالم داڑھ اُکھاڑ دو "

اتفاق کی بات کوئی بھٹکا ہوا مریض بھی اس وقت اُدھر آ نہ نکلا اس کا ایک دانت بوسیدہ ہو گیا تھا اور شدید درد کا شاکی تھا ، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں ، مورٹن نے بہلا پھُلا کر اپنے نو دریافت معالجہ کا تجربہ کرنے کی اجازت لے لی ، اُسے ایتھر سونگھایا ، جب وہ سو گیا تو اس کا دانت اُکھاڑ پھینکا ، ہوش میں آنے کے بعد مریض بے حد خوش ہوا ، کیونکہ بغیر کسی تکلیف اور اذیت کے اُسے دانت اور دانت کے درد سے نجات مل گئی تھی ، یہ خبر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ شہر بھر میں پھیل گئی ، ہر چہار طرف سے لوگ مورٹن کے پاس آنے لگے — اب تو مریضوں کا تانتا لگ گیا ، اور مریضوں کے ساتھ روپے کی بارش ہونے لگی ،

اب مورٹن وہ پہلا سا مورٹن نہ تھا ، ——————— !

اب وہ بالکل بدل گیا تھا ، ——————— !

فطرت کا انقلاب !

اب تک یہی شخص اکتساب زر کو اپنی زندگی کا مدعا اور اپنی آرزو

کا مقصد بنائے ہوئے تھا، وہ صرف اسی دُھن میں تھا کہ شہرت اور تونگری کے دروازے اس کے لیے کھل جائیں، لیکن اس انقلاب کے بعد مال و شہرت کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہ رہ گئی تھی، اس نے مریضوں کا علاج اپنے ساتھی پر چھوڑا، اور زر و دولت، تندرستی، فکر صحت، خانگی زندگی راحت و مسرت سے بے نیاز ہو کر صرف اس فکر میں مستغرق ہو گیا، کہ کوئی ایسا طریقہ دریافت کرلے جس سے جسم کا کوئی خاص حصہ ہی نہیں، بلکہ سارا جسم سُن ہو سکے، تاکہ سرجنوں اور ڈاکٹروں کو اس مقصد میں کامیابی ہو جائے کہ مریض کو تکلیف پہنچائے بغیر وہ بڑے سے بڑا آپریشن کر سکیں، مورٹن اس فکر میں اتنا مستغرق ہوا کہ دوست احباب، رفیق و ہمدم سب سے مُنہ موڑ کر اپنے تجربہ خانے میں گوشہ نشین ہو گیا، یہی اس کی دنیا تھی، یہی اس کی کائنات، اس نے ایتھر کی مختلف مقداریں اپنی ذات پر آزمانا شروع کر دیں، ایتھر کی بدبو ہر وقت اس کے ہاتھوں، کپڑوں اور سانسوں سے آتی رہتی تھی، یہی کرتے کرتے اسے ایسی موزوں مقدار کا کھوج مل گیا جس سے بغیر کسی خطرے کے ایک معیّن مدت کے لیے نیند آجاتی، پھر اس نے ایک ماہر کاری گر سے ایتھر سونگھنے کا ایک خاص آلہ تیار کرایا، گھروں، دواخانوں اور ہسپتالوں میں پھر پھر کر اس نے اپنا یہ آلہ دکھایا مگر جواب میں بے التفاتی اور تغافل کے سوا اسے کچھ حاصل نہ ہوا، کیونکہ کسی ڈاکٹر میں اتنی جرأت اور ہمت نہ تھی، کہ بغیر کسی وسواس

کے بے جھجک وہ اس جدید ایجاد کو اختیار کر لیتا ،

ڈاکٹر وارن!

جب مورٹن اس " قدر افزائی " کا اچھی طرح تجربہ کر چکا، تو وہ ہمت کر کے سب سے بڑے سرکاری ہسپتال میں گیا ، اور وہاں کے سب سے بڑے سرجن ڈاکٹر وارن سے ملا ، ڈاکٹر وارن کو ہموار کر لینا آسان نہ تھا وہ ایک ہی کائیاں اور زیرک تھا ، لیکن مورٹن کے الفاظ جو عزم، یقین اور خود اعتمادی کے مظہر تھے اپنا کام کر گئے ، وارن متاثر ہوا ، اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ ایک مریض پر جس کے جبڑے میں سخت درد اور ورم ہے ، ضرور اس اکتشاف کو آزمائے گا ،

آخر وہ یوم منتظر آگیا ، ! ——— !

بہت سے اطبا اپنی نوعیت کا پہلا آپریشن دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے ، آپریشن ہال تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر گیا ، حاضرین پر چہروں سے شک ، تذبذب اور تمسخر کے آثار نمایاں تھے ، مگر جب مورٹن اپنا آلہ لیے ہوئے آگے بڑھا ، اور وہ سیال جو آلہ کے اندر بھرا ہوا تھا مریض کو سنگھانے لگا ، تو سارے مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا ، حاضرین میں سے کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ یہ سیال کیا چیز ہے ؟ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے ؟ وہ صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ سرجن کے ہاتھ میں نشتر ہے ، جو مریض کے گوشت ، جلد اور ورم کے آس پاس تیزی سے

چل رہا ہے، اور اس کی جڑیں کاٹ رہا ہے، مگر مریض کوئی حرکت نہیں کرتا، نہ آہ، نہ فریاد، بلکہ اس کے چہرے پر ایسا مطمئن تبسم کھیل رہا ہے جیسے کوئی پر لطف خواب دیکھ رہا ہو،

اس آپریشن میں بیس منٹ کی مدت صرف ہوئی، مریض کو قطعاً کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی، اس نے منہ سے ایک حرف شکایت بھی نہ نکالا، یہ منظر دیکھ کر حاضرین کا شک یقین سے اور تمسخر تحسین و آفرین کے نعروں سے بدل گیا، اور سب لوگ فن جراحت میں مورٹن کی اس نئی کامیابی پر اسے مبارک باد دینے لگے، اب تذبذب دور ہو چکا تھا، اور یقین نے اس کی جگہ لے لی تھی،

اطبا کا احتجاج!

مورٹن اپنی اس ایجاد کو پیٹنٹ کرانا چاہتا تھا، اطبا نے احتجاج کیا کہ پیشہ کا شرف طبیب کو اس نفع اندوزی سے روکتا ہے، آخر مورٹن اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ جو ہسپتال بھی طلب کرے گا، اسے بغیر کسی عذر کے وہ اپنا یہ نو ایجاد آلہ بھیج دے گا، اس کے بعد اس سے مطالبہ ہوا کہ آلہ کے اندر وہ جو دوا استعمال کرتا ہے اس کا راز منکشف کر دے، ورنہ ہم اس طریقے کی اشاعت سے ہاتھ کھینچ لیں گے،

اتفاق کی بات ہے کہ یہ جھگڑا ایسے وقت شروع ہوا جب ڈاکٹر وارن ایک لیڈی کی ٹانگ کاٹنے کے لیے آپریشن کی تیاری میں مصروف

تھا، ضرورت کی ہر چیز مہیا تھی، مریضہ بڑے صبر کے ساتھ اپنی تکلیف اور کرب سے نجات پانے کی منتظر تھی، اب بحث یہ آپڑی تھی کہ کیا مورٹن نے اس راز کو مکمل کرنے کے لیے اپنا جتنا وقت، صحت اور آرام قربان کیا ہے وہ رائگاں سمجھا جائے؟ اور بغیر کسی مزد وصلہ کے وہ اپنے اکتشاف کا راز آشکار کردے؟ یا اس بے کس اور مسکین عورت کے جسم میں دکھ اور تکلیف کی جو خلش ہے اسے بدستور باقی رکھے؟ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے، کہ کمائے یا لٹائے؟ اپنا نفع دیکھے یا دوسروں کا نقصان؟ روپے پیسے پر نظر رکھے یا بلکتی اور سسکتی انسانیت کے دکھ درد اور اذیت پر؟ بڑی سخت کشمکش، ردوکد، اور وعدے وعید کے بعد آخر مورٹن اس راز کے انکشاف پر راضی ہوگیا، اور اس کا یہ انکشاف امراض کی تاریخ میں ایک بڑا اہم اور عظیم الشان واقعہ بن گیا،

مبارک و مسعود!

تقدیر وقتاً فوقتاً لاکھوں انسانوں میں سے کسی ایک فرد بشر کو تاک لیتی ہے تاکہ اسے بشریت کی عام سطح سے بلند کر دکھائے مورٹن کے اس ایثار کی گھڑی کتنی مبارک تھی!

مورٹن اب ایک معمولی ڈینٹسٹ نہ تھا، وہ انسانیت کا محسن تھا، بوسٹن کے شہر سے اس کی خدمت اور افادیت کا

جو آفتاب طلوع ہوا تھا، ساری دنیا اس کی روشنی سے جگمگا اٹھی، بقعۂ نور بن گئی، اس کے اس کارنامہ نے انسانیت کا ایک بہت بڑا روگ دور کر دیا، انسانیت کو ایک بہت بڑی نعمت دے دی، یہ ایثار کر کے وہ دنیا کے ہیروؤں کی صف میں پہنچ گیا، کون سر ہے جو عقیدت و احترام کے ساتھ اس کا نام سنتے ہی جھک نہ جاتا ہو؟

باب ۱۳

انقلاب کی لہر !

حالات کی الٹ پھیر سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے، جو آج خوش نصیب ہے، ممکن ہے کل قسمت پلٹا کھائے اور وہ بدنصیب بن جائے، ایتھر کے ذریعہ جسم کی عام تخدیر کے موجد مورٹن کا بھی یہی حال ہوا، یہاں ان تمام واقعات و کوائف کی تفصیل مقصود نہیں جو رجعت پسندی اور حاسدوں کی وجہ سے مختلف شکلوں اور صورتوں میں رونما ہوئے، لیکن اجمالی ذکر ضروری ہے۔ بعض کرم فرماؤں نے فتویٰ دیا کہ مورٹن ملحد اور بے دین ہے، یہ تکلیف سے جنگ کرنا چاہتا ہے حالانکہ سارے دکھ درد اللہ کی طرف سے ہیں، گویا تکلیف کا مقابلہ کرنا خدا سے لڑنا ہے، کسی نے کہا اگر حس ہی زائل کرنا ہے تو یہ مقصد تو وسکی کی ایک بوتل یا شراب کے ایک جام سے بھی ہو سکتا ہے؟ جس کی تاثیر بہت دور رس اور خطرہ بہت کم ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شراب کا حصول بھی بہت آسان ہے، جب چاہا مہیا ہو گئی ——————

جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے ! ——————

غرض جتنے فاسد رسوم، پشتہا پشت کے اوہام، جہالت اور سفاہت کے کرشمے، گزشتہ صدی میں ڈیوی کی راہ میں حائل ہوئے تھے، وہ

سب کسی حد تک زیادتی ہی کے ساتھ مورٹن کے راستے میں بھی سنگ گراں بن کر حائل ہو گئے۔ اس واقعہ کا سب سے زیادہ الم انگیز پہلو یہ ہے کہ ماجندی جیسا شخص بھی مخالفوں کی صف میں نظر آنے لگا، اس نے پیرس اکاڈمی میں گلا پھاڑ پھاڑ کر کہا،

مورٹن کی تقریر!

" حضرات!

آخر ادب و اخلاق بھی کوئی چیز ہے، آپ ایتھر سے مریض کو مدہوش کرنا چاہتے ہیں؟ آخر یہ نشہ، الم اور غرور فہم آپ کو کہاں لے جائے گا؟ آخر اس تخدیر کے افسانے کا مقصد کیا ہے؟ آپ اس خیال ہی سے کانپ کیوں نہیں اٹھتے؟ مریض کو ایک بے حس و حرکت اور سرد لاش بنانے پر آپ کو اصرار کیوں ہے؟ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اجسام کے اندر فشتر کی کارفرمائیاں قوانین اخلاق کے منافی ہیں؟ ——— نہیں، ہرگز نہیں، ———

——— ہم دنیائے جدید سے اس آنے والے نئے اعلان کو کبھی قبول نہ کریں گے، ہم اس کے فریب میں مبتلا ہونے سے انکار کرتے ہیں، آپ ہمیں اس دام کا اسیر نہیں بنا سکتے ———!"

کفر کا فتوے

یہ کوئی نئی بات نہ تھی جو فقط مورٹن ہی کو پیش آئی ہو، اس سے پہلے

بھی ایسا ہو چکا تھا، مدتوں پہلے سلاونا (اسپین) کے کالج میں فلکیات، الٰہیات اور انجینیری کے مشہور ماہرین اکٹھا ہوئے، اور اس لیے اکٹھا ہوئے کہ اس شخص کے خلاف کفر کا فتوے دیں جو زمین کے گول ہونے کا قائل تھا، جو حقائق اور دلائل کی روشنی میں ثابت کر رہا تھا کہ زمین گول ہے بالکل گیند کی طرح، اسی طرح گلیلو کو بھی ہدف ستم بنایا گیا، حالانکہ اس کا جرم اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ زمین کو متحرک ثابت کر رہا تھا، یہی حال ہارمے کا ہوا، اس کی بھی مٹی پلید کی گئی، اسے بھی ہر قسم کی لعنت اتہام و سب ملی کیوں؟ اس لیے کہ وہ جسم کے اندر دوران خون کا قائل تھا، سب سے پہلے پیرس یونیورسٹی کے پروفیسر اور فرانسیسی کالج کے پرنسپل جان ریورلنڈ نے اس خیال کا مذاق اڑایا،

لیکن ہم یہاں اس قسم کی تفصیلات کو نظر انداز کر کے مورٹن کے اس تاوان کا حال اختصار کے ساتھ درج کرتے ہیں، جو اسے ہر طرح سے مشہور اور مقبول ہونے کے باوجود مختلف قسم کے بغض و عناد، کدورت، حسد اور فکر و الم کا صید زبوں بن کر ادا کرنا پڑا، یہاں تک حالت پہنچ گئی کہ ایسے دن بھی آنے لگے جب کڑاکے کے فاقے اس پر گزر جاتے، وہ بھوک سے نڈھال ہو جاتا،

عجیب اتفاق!

غور کیجیے، تین شخص تھے، جو ایک ہی زمانہ اور ایک ہی سرزمین میں مشہور ہوئے،

(۱) ولس ، دندان ساز ، ہرٹفورڈ میں ،
(۲) مورٹن ، " " ، بوسٹن میں ،
(۳) جاکسن کیمیا دان " "

ولس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ، سب سے پہلے اسی نے گیس کو سونگھ کر استعمال کیا ، لیکن ہنسانے والی گیس کے تجربات میں ناکامی نے اسے کہیں کا نہ رکھا ، کنویں جھکارے ، یہ مجبور ہو گیا کہ اپنا پیشہ چھوڑ چھاڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرلے ، چنانچہ یہ تصویروں کی سوداگری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا ،

ولس نے جب مورٹن کی کامیابی کا شہرہ سنا تو جی میں کہا ،

" اس ایجاد کا تو میں ہی اصل موجد ہوں ، سب سے پہلے مجھ ہی کو اس کا خیال آیا تھا ، اگر میں اپنے تجربات میں زیادہ مستقل اور ثابت قدم رہتا تو ہنسانے والی گیس کے بجائے ایتھر کا انکشاف میرے ہاتھوں ہوتا !"

اس خیال کے آتے ہی اس نے تقریریں کرنا اور مضامین لکھنا شروع کر دیے ، تاکہ لوگوں کو یہ یقین دلا سکے کہ اس انکشاف کا اصل رازداں وہی ہے ، اس کے بعد تقدیر نے اسے پیرس پہنچا دیا ، وہاں اس نے مورٹن کے آلات کی مقبولیت دیکھی تو حسد اور غصے کی آگ دبائے نہ دب سکی ، بھڑ کی اور بہت زیادہ بھڑک گئی ، اس نے چاہا کہ زبانی لڑائی کی مہم جاری کر دے اور اپنے دعوے کی تائید میں مورٹن کو بے نقط سناتا رہا ، آخر وہ ضبط نہ کر سکا ، یہ سب کچھ اس نے کیا ، مگر ان حرکات سے اسے کوئی خاص

فائدہ نہ پہنچا ،

کلورو فارم!

پھر ولس کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے ایتھر کے بجائے کلورو فارم کا استعمال شروع کیا ہے ، چنانچہ ولس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ کلورو فارم کو امریکہ لے جائے اور اس کے ذریعہ مورٹن کے ایتھر کا مقابلہ کرے ، اسی خیال نے ولس کو مجبور کیا کہ وہ کلورو فارم کا اپنی ذات پر تجربہ کرے ، اس تجربہ کا نتیجہ یہ کہ وہ کلورو فارم کا ویسا ہی عادی بن گیا ، جیسے افیونی افیون کے عادی ہوتے ہیں ، اسے کلورو فارم سے طاری ہونے والی سکرات کی کیفیت لذت بخش اور پُرلطف معلوم ہونے لگی ، یہاں تک کہ اسے قید خانہ کی ہوا کھانی پڑی ، وہ قید خانہ کی سخت وصعب زندگی کی تاب نہ لا سکا ، اور خودکشی کر کے اس دنیا سے رخصت ہوگیا !

پیرس میں ولس کا ایک دوست تھا ، بروبیٹے ، وہ ولس کے جانے کے بعد دوست کی تمنا بر لانے کے لیے جدوجہد کرنے لگا ، یہاں تک کہ اس نے اطبا کی انجمن کو اس امر پہ آمادہ کر لیا کہ وہ ولس کو اپنا اعزازی رکن بنا لے ، وہ اس کوشش میں کامیاب ہوگیا ، ولس ممبر بنا لیا گیا ، اس نے یہ خوش خبری ایک خط میں لکھ کر بھیجی ، لیکن یہ اس وقت پہنچی جب ولس مر چکا تھا ، یہ نامہ مسرت اس کی بیوی کو ملا ، پھر یہ خط دست بدست گشت کرنے لگا ، اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ پروپیگنڈا بھی جاری تھا کہ

مورٹن نے ولس کا خیال چرایا ہے، مورٹن اتنا سفاک ہے کہ وہی ولس کی ناوقت موت کا باعث بنا، اس پروپیگنڈے نے مورٹن کو بہت زیادہ بدنام کر دیا، ہر چہار طرف سے اس پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی، مورٹن کے دشمنوں کو اس گپ سے فائدہ اٹھانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا، اس طرح ولس کی موت مورٹن کی پیشانی پر کلنگ کا ٹیکہ بن گئی، جو کسی طرح دھونے نہ دھلتا تھا،

جاکسن کا معاملہ!

اب رہا جاکسن، !————!

تو مورٹن سے اس کے معاملہ کا دوسرا رنگ تھا، کیا وہ جاکسن نہ تھا جس نے مصفی سلفرک ایتھر کا استعمال اسے سمجھایا تھا؟ اگر یہ صحیح ہے تو وہ اس علمی اور مادی اختراع کے نتائج سے کیوں کر محروم رہ سکتا تھا؟ چنانچہ اس نے محرومی گوارا نہ کی، وہ میدان میں اتر آیا، اور اس نے اپنا حق ایجاد کا مطالبہ شروع کر دیا،

مگر بوسٹن مورٹن کے حق میں تھا، خاص طور پر اس لیے کہ وہاں کے سب سے زیادہ مستند، مقبول اور معتمد ڈاکٹر ہارن نے اس کی ایجاد کو ایک آپریشن کے موقع پر سب سے پہلے استعمال کیا تھا، اور اس کی افادیت و اہمیت کا قائل ہو گیا تھا، وارن ابھی زندہ تھا، وہ اور اس کے رفقا مورٹن کے واحد موجد ہونے کے گواہ تھے، اس لیے جاکسن نے

پیرس کا رخ کیا، کیونکہ وہی اس دائرہ کا مرکز تھا، اور دریائے سین کے کنارے جو علمی اکاڈمی قائم تھی، اس کا فیصلہ ساری دنیائے علم کے لیے اہم اور قابل تسلیم سمجھا جاتا تھا، علاوہ ازیں جاکسن وہاں اپنی جوانی کے دن گزار چکا تھا وہاں اس کے جو ذی اثر اور صاحب رسوخ احباب تھے ان میں اکیڈمی کا سکریٹری ڈاکٹر دی بومون بھی تھا، جاکسن نے اسے لکھا اور ایتھر کے ذریعہ تخدیر کے موضوع پر ایک طولانی رسالہ بھی ملفوف کر دیا، اس میں اپنے خاص تجربات درج کیے اور اصرار کے ساتھ یقین دلایا کہ اصل موجد وہ خود ہے، نہ کہ مورٹن یا کوئی اور شخص ——————

ہاں مورٹن اس کا مددگار اور معاون ضرور رہا ہے! ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ اکیڈمی کے جلسے میں اس کا رسالہ پیش کر دیا جائے،

اکاڈمی کا جلسہ!

کچھ عرصہ کے بعد یہ خبریں بوسٹن پہنچیں اور مورٹن کو اکیڈمی کے جلسے کے واقعات معلوم ہوئے، غم و غصہ سے اس کا بُرا حال ہوگیا، وہ جاکسن پر بہت برہم ہوا، پیرس پہنچا، جاکسن سے ملا، دونوں میں خوب گرماگرم بحث ہوئی، مگر جاکسن عداوت، خباثت، مکاری اور حیلہ جوئی میں بہت مشہور تھا، اس نے باتوں ہی باتوں میں مورٹن کا غصہ ٹھنڈا کر دیا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس کے دعوے کی تردید پیرس کی اکیڈمی تک نہ پہنچائے، مگر اس کی یہ چال زیادہ دن نہ چلی، مورٹن نے

اس کی مکاری اور بدنفسی محسوس کرکے اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل، شواہد اور اعداد و شمار جمع کیے، اور انھیں چھ صندوقوں میں بھر کر پیرس اکیڈمی روانہ کر دیا، مگر نامعلوم اسباب کی بنا پر یہ صندوق چنگی خانے کے کسی گوشے میں چھ ماہ تک پڑے رہ گئے، اس کے بعد نکالے گئے، پیرس میں مورٹن کا ایک دوست تھا جو کہ ڈاکٹر وارن کا بیٹا تھا، یہ اس دوران میں پیرس چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا، اب اس سوال پر غور کرنا پڑا کہ یہ صندوق کس کے سپرد کیے جائیں؟ مورٹن اور اکیڈمی کے درمیان کون واسطہ بنے؟ بعض لوگوں نے اس کی ڈاکٹر بروسٹے کی طرف رہبری کی، اسے کیا معلوم تھا یہ بروسٹے وہی شخص ہے جو مورٹن کے سابق حریف ولس کا یارِ غار ہے، جو ولس کو پیرس اکیڈمی کی اعزازی رکنیت کا اعزاز دلا چکا ہے، اس لیے جو کچھ واقع ہوا، مورٹن کے حق میں اس پر "آسمان سے گری کھجور میں اٹکی" والی مثل بالکل صادق آئی۔

انسانیت کا محسن!

بیرن مونیٹون، پیرس میں ایک ایسا شخص گزرا ہے جس کا شمار انسانیت کے بڑے محسنوں میں ہوتا ہے، اس نے اپنی طرف سے انعام کے لیے ایک رقم وقف کر دی تھی، جس میں سے ہر سال پانچ ہزار فرانک ایسے شخص کو دیے جاتے تھے جو اپنے علم و عمل سے محسنِ انسانیت کا لقب حاصل کرنے کا سزاوار ہو، اکیڈمی حیران تھی کہ اس سال یہ انعام کس شخص کو دیا جائے؟

جاکسن کو یا مورٹن کو؟ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ایتھر سے کامل تخدیر کا طریقہ ایجاد کرنے کا مدعی تھا، اکیڈمی کے ارکان اس معاملہ میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ایک فریق جاکسن کا حامی تھا، دوسرا مورٹن کا یہ اکیڈمی اسی تردد میں تین سال تک مبتلا رہی، اس کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ انعام کی رقم دونوں امیدواروں کے مابین برابر برابر تقسیم کر دی جائے، دونوں کو ایک ایک سرٹیفکیٹ دیا جائے، جس پر دونوں کا نام ہو، جاکسن نے اس ڈر سے کہ اکیڈمی کے ارکان ناراض نہ ہو جائیں اس تجویز کو مان لینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن مورٹن نے صاف انکار کر دیا، اور یہ کہہ کر اکیڈمی کو ایک عجیب چکر میں ڈال دیا کہ وقف کرنے والے نے جو رقم وقف کی ہے اس کی نیت انعام کی ساری رقم ایک ہی شخص کو دینے کی تھی!

سونے کا میڈل

بڑی طولانی رد و کد کے بعد ارکان انجمن نے فیصلہ کیا کہ ایک سونے کا میڈل بنوایا جائے، اور اس پر مورٹن کا نام کندہ کرا کے نقد رقم کے بجائے اسے دے دیا جائے، یہ فیصلہ جاکسن کی برہمی کا سبب بن گیا، کیونکہ ایک تو مالی انعام میں سے کوئی قابل ذکر رقم اس کے ہاتھ نہ آئی، دوسرے سرٹیفکیٹ بھی ملا تو ایسا جس میں اس کے نام کے پہلو بہ پہلو حریف مقابل مورٹن کا نام بھی موجود تھا، اس برہمی نے جاکسن کو اتنا برافروختہ کر دیا

کہ اس نے طرح طرح کی جھوٹی خبریں پھیلانا شروع کر دیں، جن کا اکیڈمی کو کوئی علم نہ تھا، چونکہ فرانس حقیقی موجد کا اعتراف کر ہی چکا تھا اس لیے جاکسن کو بھی ایک ایسا میڈل دے دیا، جو تھیٹر کے ایکٹروں کے گروہ کو دیا جاتا ہے، مورٹن اس کی تردید میں کہا کرتا تھا کہ اعزازی تمغہ بہت متبذل بن گیا ہے، جو ہر شخص کو بلا امتیاز اہلیت دے دیا جاتا ہے،

ادھر تو دونوں فریقوں میں جنگ زرگری جاری تھی اور ان میں سے کبھی کسی کا پلہ بھاری ہو جاتا، کبھی کسی، ادھر تخدیر کا وہ طریقہ دنیا میں رائج اور مقبول ہوتا جاتا تھا، دنیا چاہتی تھی کہ تشکر و سپاس کا اصل استحقاق جس شخص کو ہو وہ متعین ہو جائے طبی اور علمی انجمنیں اس احسان کی معترف تھیں، مگر کتنی ستم ظریفی تھی کہ اعتراف و قبول کے باوجود وہ اس سے قطعاً لاعلم اور ناواقف تھیں کہ کس شخص کو خراج تحسین ادا کریں؟ کس کے سامنے سر نیاز خم کریں؟

پہلا عمل جراحی!

جب لندن میں پہلی مرتبہ بغیر کسی تکلیف اور اذیت کے عمل جراحی سرانجام پایا تو یہ تاثر انتہا کو پہنچ گیا تھا یہاں تک کہ وہاں کے ڈاکٹروں نے اصل موجد کے لیے دس ہزار گنیاں چندہ میں جمع کر لی تھیں، لیکن مورٹن اور جاکسن کے درمیان جو جھگڑا چل رہا تھا اور جاکسن جیسی جیسی ریشہ دوانیاں کر رہا تھا اس کی بدولت یہ رقم خطیر اپنے صحیح مصرف

میں نہ لائی جا سکی، اور چندہ کے طور پر جو روپیہ جمع ہوا تھا وہ چندہ دہندگان کو واپس کر دیا گیا، اس لیے کہ جب موجد بھی غیر متعین تھا تو یہ رقم دی کس کو جاتی؟

اس طرح جاکسن نے اپنے قدیم شاگرد اور جدید حریف مورٹن کو نقصان پہنچانے اور خود ناجائز نفع اٹھانے میں ہر وہ ذریعہ اور وسیلہ اختیار کیا جو اختیار کیا جا سکتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ موجد کی شخصیت ہی متعین نہ ہو سکی!

باب ۴

مدوجزر!

دن اور مہینے گزرتے گئے ، !

بوسٹن میں دو دوستوں نے ایک ساتھ زندگی کا سفر شروع کیا ، ان دونوں کی رفاقت اور دوستی ضرب المثل تھی ، دونوں ایک دوسرے کے فضل اور برتری کے معترف تھے ، لیکن

زمانہ کی رت بدلتے دیر نہیں لگتی !

ایک انقلاب!

رت بدل گئی ، سماں بدل گیا ، وہی جو کل تک دوست تھے آج ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ! دوستی دشمنی سے بدل گئی ، محبّت ، بغض سے اور احترام حقارت سے !

ان میں سے ایک سائنسدان تھا ، دوسرا ڈینٹسٹ !

پہلے کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا ، دوسرے نے اپنی فکر رسا اور طبع حوصلہ مند سے کام لے کر اسے عملی جامہ پہنایا ، اسے حقیقت بنا دیا ، یہی بات بس کی گانٹھ بن گئی ، جو چیز خلوص اور محبت کی ضامن ہو سکتی تھی وہی عداوت اور مناقشہ کا سبب بن گئی ، دونوں میں لڑائی ٹھن

گئی ۔ اور ایسی ہٹنی کہ مہابھارت بھی اس کے سامنے گرد ہو گئی ، صلح کی ہر کوشش ناکام ہوئی ، ربط اور محبت کا شائبہ بھی باقی نہ رہ گیا ، ہر روز جب سورج طلوع ہوتا تھا ، لڑائی کی ایک گانٹھ اور بڑھ جاتی تھی ، اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ منا قشہ کی شہرت دور دراز مقامات تک پہنچ گئی ، جیسے جیسے یہ ایجاد کامیاب ہوتی گئی ، نزاع اور عداوت میں بھی ویسے ویسے اضافہ ہوتا گیا ، ایک طرف اگر پیرس کی مجالس علمیہ میں اس جنگ پر بحثیں ہوتی تھیں تو دوسری جانب لندن کی علمی سوسائٹیز میں بھی یہی بحث موضوع گفتگو تھی ، دوسرے دیار و امصار میں بھی اگر کوئی چرچا تو اسی جنگ کا !

ایتھر کی جنگ :

یہ جنگ جس کا صحیح نام " ایتھر کی جنگ " سمجھنا چاہیئے ، دوسرے مقامات کی بہ نسبت امریکہ میں بڑی شدت اور پامردی کے ساتھ لڑی جا رہی تھی ، خاص طور پر ان علاقوں میں جو دونوں پارٹیوں کے لیڈروں کے پہلے اور ابتدائی مرکز کی حیثیت رکھتے تھے ، یورپ دور تھا اور رسل و رسائل کے وسائل اس زمانہ میں کم اور محدود تھے ، فتح و نصرت کا پھریرا دونوں میں سے کسی ایک کے نام پر صرف اس صورت میں بلند ہو سکتا تھا کہ کون اپنے دلائل اور ثبوت کو دوسروں کے سامنے پہلے پیش کر سکتا ہے ؟ کیونکہ انہی یادداشتوں اور رپورٹوں ہی سے کوئی صحیح رائے قائم ہو سکتی تھی ، اور حال یہ تھا کہ دونوں کے دلائل اور ثبوت جدا جدا تھے ، نہ صرف جدا جدا تھے ،

بلکہ باہم متناقض اور متضاد بھی تھے، ان میں سے ایک جس بات کو ثابت کر دیتا تھا، دوسرا اسے غلط اور نامعقول ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا تھا، اور ہر امریکہ میں یہ حالت تھی کہ یہ تصادم صرف باتوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ کبھی کبھی نوبت تلخ کلامی سے گزر کر دست و گریباں ہونے اور سر پھٹول کرنے تک بھی آجاتی تھی!

فریب کاری

شروع شروع میں جاکسن کو کامیابی ہوئی تو اس نے یورپ کی کاؤنٹیوں سوسائٹیوں اور حکومت کے دفتروں میں اپنی فریب کاریوں کا مضبوط جال پھیلا دیا، پھر یہ بات بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے ملک اور سرزمین بھی مقابلہ کی زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں، اس کام کے لیے اس نے دوسرے وسائل کا سہارا لینا ضروری سمجھا، تاکہ ان کی بدولت حریف پر غلبہ پا سکے، ظاہر ہے صرف القاب و خطاب حاصل کرنے سے تو کنارے نہیں لگتی، ایسے موقع پر دشمن کو اس کے ادبی و مالی مرکز میں بیک وقت فیصلہ کن ضرب لگانا اور میدان مقابلہ سے اسے ایسی حالت میں بھگانا ضروری ہو جاتا ہے کہ پھر وہ سر اٹھانے کی ہمت و جرأت نہ کر سکے، جاکسن نے اپنی طرف سے یہی کہ گزرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، اس نے بیانگ دہل اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اس ایجاد کا وہ تن تنہا بلا شرکت غیرے مالک ہے، اور اس کے علاوہ جو کوئی اس قسم کا دعوے کرتا ہے

وہ باطل اور غلط ہے ، اس آواز کو زیادہ سے کانوں تک پہنچانے میں جاکسن نے ذہن و دماغ کی ہر صلاحیت اور فکر و نظر کی ہر قوت صرف کر دی،

پھر وہی ریسرچ!

جاکسن میں یہ جرأت حالات نے پیدا کر دی تھی، مورٹن اپنی ایجاد کی تحقیق و تحسین میں بہت انہماک کے ساتھ مصروف تھا اور اس انہماک و استغراق نے اسے فکرِ معاش سے یکسر غافل اور بے پروا بنا دیا تھا، علاوہ ازیں اتنا بڑا امر جد بن جانے کے بعد اسے یہ بات کچھ اپنے شایانِ شان نظر نہ آئی کہ وہ لوگوں کے صرف دانت اکھاڑتا رہے ، صرف اس کام کو زندگی کا شغلہ بنا لینا اب اسے اپنی حیثیت سے فروتر نظر آنے لگا تھا، چنانچہ دانتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کا کام تو اس نے رفیقوں اور ملازموں کے سپرد کیا اسے یقین تھا کہ جاکسن کو نفع میں دس فیصدی کا شریک بنا کر جو معاہدہ اس نے کیا ہے، وہ کافی ہے ، اس پیٹنٹ سے اتنی آمدنی ہو جائے گی کہ اس کے سارے اخراجات بآسانی پورے ہوتے رہیں، اور کسی قسم کی مالی تکلیف کا اسے سامنا نہ کرنا پڑے ، یہی سوچ کر اس نے اپنے کاروبار کی وسیع اور اونچے پیمانہ پر تنظیم کی، تاکہ اپنے آلات کو حسبِ مدعا زیادہ سے زیادہ فروغ دے سکے ، ڈاکٹروں اور دواخانوں کو ایک سو اور دو سو ڈالر کے درمیان معاوضہ لے کر ان آلات کو سات سال تک استعمال کرنے کا حق دے دیا، اسی طرح عام ہسپتالوں اور خیراتی علاج کرنے والے ڈاکٹروں کو ان آلات

کے مفت استعمال کی اجازت دی، اور ان سے کوئی خاص معاوضہ نہیں لیا،

ہولناک جنگ!

یہ وہ زمانہ تھا جب میکسیکو سے بڑی سخت جنگ چھڑی ہوئی تھی، مورٹن نے جنرل کمان کے سامنے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے درخواست کی کہ اسے اجازت دی جائے کہ وہ فوجی ڈاکٹروں کو اپنا یہ نوایجاد اور مجرب طریقہ سکھائے، جنرل کمان نے اس استدعا کو منظور تو کر لیا، لیکن جب مورٹن نے معاوضہ اور فیس کا سوال اٹھایا تو حکومت نے ان مصارف کا بوجھ اٹھانے سے صاف انکار کر دیا، ادھر اخبارات یہ کہہ کر حکومت کی تائید کرنے لگے کہ ایسی ایجاد منفعت عامہ کے لیے ہونی چاہیئے، جہاں امریکی عساکر اپنی جانوں کی قربانی پیش کر رہے ہوں، وہاں ایک امریکی وطن پرست اگر تھوڑی سی مالی قربانی کا مظاہرہ کر دے تو کون سی قیامت آجائے گی؟

یہ موقع جاکسن کے لیے بہت مفید تھا۔ اور اس نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، بات یہ تھی کہ کسی قسم کا معاوضہ ادا کیے بغیر اس ایجاد سے حکومت کا فائدہ اٹھانا اور اس کا استعمال کرانا اس بات کا ثبوت تھا ہر شخص اسے استعمال کر سکتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا سیکھتا ہے، ایسی صورت میں پیٹنٹ ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتیں یکساں نہیں، پھر یہ

خیال بھی اس کے دل میں آیا کہ اسے جو نفع ملتا ہے وہ صرف دس فیصدی ہی تو ہے، یہ کون سا بہت بڑا نفع ہے جو اگر نہ ملا تو وہ دیوالیہ اور تباہ و برباد ہو جائے گا؟ لہٰذا جاکسن کے لیے موزون اور مناسب صورت صرف یہ تھی کہ وہ پیٹنٹ کی دستاویز معاہدہ سے اپنی بریت اور علیحدگی کا اعلان کر دے، اور ہر مادّی مصاحبت اور شفقت سے اپنی کامل بے تعلقی کا بیان دے دے، اسی اثنا میں میڈیکل ایسوسی ایشن کی طرف سے ڈاکٹروں کا ایک جلسہ منعقد ہوا، اس جلسہ میں جاکسن بھی پہنچ گیا، اور بڑی دھواں دھار تقریر کر ڈالی، اس نے اپنی تقریر میں گھن گرج کے ساتھ کہا،

جاکسن کی تقریر!

"میں فن تخدیر کا تنہا موجد ہوں، کوئی بھی اس ایجاد میں میرا شریک و سہیم نہیں، میں آپ حضرات کو اپنے ایک اہم فیصلہ سے مطلع کرتا ہوں، بعض لوگوں نے مجھے مبتلائے فریب کر کے ایتھر کی دستاویز پر جو اسے پیٹنٹ کرانے کے لیے تیار کی گئی تھی میرے دستخط کرا لیے تھے، اور اس ذلیل کام کی اساسی غرض و غایت ——— یعنی نفع اندوزی کے جذبہ کو ——— مجھ سے پوشیدہ اور مخفی رکھا، انھوں نے مجھے یقین دلایا تھا کہ پیٹنٹ کی دستاویز میرا نام، میرے حقوق کی حفاظت کے لیے ضروری ہے، مجھے اس کا وہم و گمان بھی

نہیں تھا کہ یہ لوگ انسانیت کے دُکھ درد سے متاثر ہونے کے بجائے اسے جلب منفعت، زر اندوزی اور غلط قسم کی تجارت اور کاروبار کا ذریعہ بنالیں گے۔ لیکن اب سارے اسرار مجھ پر منکشف ہو چکے ہیں، میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا ہے کہ پیٹنٹ کی دستاویز سے اپنا نام واپس لے لیا ہے، میں آج اس جلسہ میں بالفاظ واضح اعلان کرتا ہوں کہ میں نے اس کی ملکیت کے ہر قسم کے دعوے سے دستبرداری اختیار کر لی ہیں ہر شخص کو اس کا عام حق دیتا ہوں کہ وہ اسے اپنا دکھ درد دور کرنے، آلام سے نجات پانے اور اذیت سے بچنے کے لیے جیسا اور جس طرح چاہے استعمال کرے میرے لیے اس معاوضہ سے بڑھ کر بیش قیمت کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا کہ میں نے انسانیت کا دکھ بٹایا، میں اس کے کام آیا، میں نے تکلیف اور اذیت کو مغلوب کر لیا، میں اپنے ابنائے وطن کے کام آیا ان کی مسرت و سعادت کا وسیلہ بہم پہنچانے میں میرے حقیر ذہن و دماغ نے بھی کچھ کام کر دکھایا، کیا یہ میرے لیے بہت کچھ نہیں ہے؟

میں اس بھرے مجمع میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے جسے بوسٹن کے لوگوں کو امریکہ کے لوگوں، ساری دنیا کو اس کے استعمال کا حق بغیر کسی معاوضہ اور اُجرت کے دیا!"

شورِ تحسین!

اگرچہ حاضرینِ مجلس میں سے بہتوں نے جاکسن کے اس دعوے پر یقین نہیں کیا، اور اسے محض گپ سمجھا، پھر بھی حاضرین کے بہت بڑے طبقہ پر اس بامو قع اور اثر انگیز تقریر کا گہرا اثر ہوا، سارا ہال شور و تحسین سے گونج اٹھا یا، تالیاں اتنے زور سے بجائی گئیں کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اس عام مسرت کی وجہ یہ تھی کہ اصل اور حقیقت کچھ بھی ہو، واقعہ نفس الامری کیا تھا؟ اس سے بحث نہیں، لیکن اس اعلان کے بعد کم از کم ہر شخص کو اس ایجاد سے بغیر کسی اُجرت اور معاوضہ کے فائدہ اٹھانے کا حق تو مل گیا، ——— بزم میں اہلِ نظر بھی تھے تماشائی بھی ——— اہلِ نظر کم، تماشائی زیادہ، موقع سے فائدہ اٹھانے والے اور مصلحت و منفعت کے غلام حقیقت پسندوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھے، انھوں نے خوب خوب چیئرز دیے اور جاکسن کی نمائشی فراخ دلی کی جی بھر کے داد دی!

مذموم حرکات

جاکسن نے صرف انہی مذموم حرکات پر اکتفا نہ کیا، اس نے یہ بھی کیا کہ ان تاجروں ——— دواخانوں اور ڈاکٹروں ——— تک بھی جا پہنچا جنھوں نے مورٹن کی سرپرستی کی تھی اور اس کا آلہ کار فی

تعداد میں خریدتے رہتے تھے ، وہ ایک قدم اور آگے بڑھا ، اُس کاریگر کے پاس بھی پہنچ گیا جو یہ آلہ بنایا کرتا تھا ، اس نے لوگوں پر روغن قاز ڈالا اور انھیں اس پر آمادہ کیا کہ جو وعدے یہ مورٹن سے کر چکے ہیں ان سے پھر جائیں ، جو سرمایہ اس کے کام کے سلسلہ میں لگا چکے ہیں اسے واپس لے لیں ، کیونکہ اب تک انھیں دھوکے میں رکھا گیا ہے ، اور جس تجارت میں وہ شریک ہیں وہ سراسر خسارہ کی تجارت ہے ، اور ایسا کاروبار کبھی پھل پھول نہیں سکتا ، لائسنس زائل ہونے اور پیٹنٹ منسوخ ہونے کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی ، غریب مورٹن نے جس آلہ سے امیدوں کے سر بہ فلک قلعے تیار کر رکھے تھے ، اُس آلہ کی قیمت آناً فاناً گر گئی ، مورٹن کے رزق کا دروازہ بند ہوگیا ، اس کا سکون و اطمینان رخصت ہوگیا ، وہ نان شبینہ کو محتاج ہوگیا ، مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ جاکسن نے کسی طرح مورٹن کے کارکنوں اور کارپردازوں کی فہرست معلوم کرلی ، اس نے جعلی خطوط ان لوگوں کے نام مورٹن کے نام سے روانہ کیے ، ان خطوط میں مورٹن کی طرف سے بقایا رقوم کی واپسی کا مطالبہ نہایت بھونڈے اور مکروہ طریقے سے کیا گیا تھا ، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بھڑک اٹھے ، اور غصہ سے بھرے ہوئے مورٹن کے کلینک کی طرف چل کھڑے ہوئے اس ہجوم اور مظاہرے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مورٹن کے مریض اس ہنگامۂ ہاؤ ہو سے گھبرا کر واپس چلے گئے ، اور اس کے مطب میں خاک اڑنے لگی ، جس مکان میں وہ رہتا اور مطب کرتا تھا ، چند روز کے بعد یہ دیکھا گیا کہ اس پر ایک دوسرے

ڈاکٹر کا بورڈ آویزاں تھا، جس پہ جلی حروف میں لکھا تھا،

" یہاں بہت سستا علاج ہوتا ہے ! "

مورٹن جب بالکل تباہی کے دروازے پر پہنچ گیا، اور اس کی مالی حالت بہت سقیم ہوگئی تو اس کے بعض دوستوں نے اسے اکسایا کہ وہ کانگرس سے مطالبہ کرے کہ اسے ایسی ایجاد کا خاطر خواہ معاوضہ یا انعام ملنا چاہیے جس نے صرف لشکر ہی کو نہیں ہر امریکی کو فائدہ پہنچایا اور ایسی چیز عالم خیال سے عالم وجود میں آیا، جو درد اور اذیت کی قاتل ہے، اس مہم میں ڈاکٹر وارن کے شفاخانہ کی طرف سے مورٹن کو بڑی اخلاقی مدد ملی، ایک دن مورٹن کے پاس جاکسن کا وکیل آیا، یہ شرائط صلح لے کر آیا تھا، وکیل کی اہم اور بنیادی شرط یہ تھی کہ مورٹن اس بات کا علی الاعلان اعتراف واقرار کرلے کہ اس ایجاد میں اولیت اور افضلیت کا فخر ڈاکٹر جاکسن کے ہدایات اور رہنمائی کو حاصل ہے، وکیل نے یہ شرط پیش کرکے مورٹن سے کہا

شرط صلح !

" اگر آپ نے بے چون وچرا یہ شرط تسلیم نہ کی تو یاد رکھیے جاکسن کا ترکش تیروں سے خالی نہیں ہوا ہے ! وہ کانگرس کے سامنے بھی آپ کو زک دے سکتا ہے، اور آپ پھر منہ دیکھتے رہ جائیں گے، "

لیکن مورٹن اب اس منزل پر پہنچ چکا تھا، جہاں امید و آرزو کی کرن بھی باقی نہیں رہ جاتی، وہ اب ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا، وہ ہرگز جھکنے اور پگھلنے کے لیے آمادہ نہیں تھا،

بستر علالت!

اس مسلسل نزاع نے اور جاکسن کے پیہم اور متواتر حملوں نے طرح طرح کی ذہنی اور دماغی الجھنوں اور پریشانیوں نے مورٹن کی بہت زیادہ خستہ اور درماندہ کر دیا تھا، ضعف نے غلبہ پایا، بیماری نے گھیر ڈالا، اور وہ بستر علالت پر دراز ہو گیا، ڈاکٹروں نے کامل آرام کا مشورہ دیا، مگر غریب کی قسمت میں آرام کہاں تھا؟ دشمن تاک میں لگا ہوا تھا، وہ اسے ستانے اور زچ کرنے کی ہر روز نت نئی تدبیریں سوچا اور ان پر عمل کیا کرتا تھا،

اب نفاق، حسد، اور خود غرضی کی دنیا میں اس کا صرف ایک رفیق رہ گیا تھا،

وہ تھا اس کا سرسبز باغ اور خاموش مکان! ——— !

یہیں اس کے بیوی بچے ہر روز غروب آفتاب کے بعد اس کا انتظار کیا کرتے تھے، اور وہ ان کے پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے اپنی ساری فکریں اس فردوسی ماحول میں فراموش کر دیا کرتا تھا، مگر قسمت کو اس کا یہ نامکمل سکون بھی نہ بھایا، ایک دن شام کے وقت حسب معمول وہ اپنے گھر کی طرف واپس آ رہا تھا کہ حاکم بلدہ کا آدمی قرقی کا پروانہ لیے ہوئے

کھڑا نظر آیا، جس کی رو سے قرض خواہوں کے مطالبات واجب الادا کے سلسلہ میں وہ اپنے گھر اور اس کے تمام اثاثہ سے محروم کر دیا گیا تھا، مورٹن کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا، ——————— آج اسے محسوس ہوا کہ وہ فقیر ہو گیا ہے، اب اس کے پاس کوئی چیز بھی ایسی نہیں رہ گئی ہے جسے وہ اپنا کہہ سکے، اس کا سب کچھ نصیب دیگراں ہو گیا،

ضمیر کا فیصلہ

لیکن ضمیر جس طرح افراد میں ہوتا ہے، اقوام میں بھی ہوتا ہے، جس طرح فرد غلطی کرتا ہے، پھر اپنے دل میں ایک چبھن سی محسوس کر کے اس کی تلافی اور مکافات کی سعی و کوشش کرتا ہے، بالکل یہی حالت قوم کی بھی ہوتی ہے، اس سے بھی غلطی سرزد ہونے کے بعد جب وہ اسے محسوس کر لیتی ہے تو اس کے دل میں بھی چبھن ہوتی ہے، اور بھی، تلافی مافات اور صلہ و مکافات کی سعی و تدبیر میں دل و جان سے مصروف و منہمک ہو جاتی ہے، اور حصول مقصد کے سلسلہ میں کوئی امکانی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی، سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتی ہے!

باب ۱۵

قوم کا ضمیر!

ڈاکٹر جاکسن نے اپنے مظلوم حریف سورٹن کے خلاف جو مسموم فضا پیدا کر دی تھی، وہ غلط بنیادوں پر قائم ہوئی تھی، لہذا ہمیشہ رہنے والی نہ تھی، اسے ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہی تھا، بغض و عداوت کو ہمیشہ تباہی اور بربادی کے خواب ہی نظر آتے ہیں، جو شخص اس مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اسے اپنے گرد و پیش حسد، کینہ، خباثت اور دجل و فریب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، وہ جب آنکھ کھولتا ہے تو یہی جذبات مجسم ہو کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں، پھر جب وہ مقابلہ کی ٹھانتا ہے تو وہ دشمن کے خلاف انہی حربوں سے مسلح ہو کر میدان میں آتا ہے، اور لڑتا ہے، مگر عداوت اور نفرت کے اس طوفان میں وہ اس شفقت کو نظر انداز کر دیتا ہے، جو قدرت سے انسان کے دل میں بھر دی ہے، یہ شفقت دبے پاؤں چلنا شروع کرتی ہے پھر آخر میں اس کی حرکت ایک زبردست چیخ بن جاتی ہے، ایسی چیخ، ایسی فریاد جو پتھر کے دل میں بھی گداز اور ملاطفت اور نرمی پیدا کیے بغیر نہیں رہتی، کسی کا اتنا ہی منہ سے نکال دینا کافی ہے،

یہ غریب بے چارہ!"

متعدّی مرض!

پھر یہی لفظ خود بخود بڑھنے اور وسعت پیدا کرنے لگتا ہے، اور رحم و ہمدردی کی صورت میں اپنا مستقل دشمن بنا لیتا ہے۔ امراض کی طرح شفقت بھی متعدّی ہے، لفظ "غریب بیچارا" اس دوا فروش کے منہ سے نکلا تھا جس سے مورٹن ایتھر خریدا کرتا تھا، اس کے بعد یہی لفظ ذرا زیادہ زور اور شدّت کے ساتھ ہومز شاعر نے دوہرایا جس کو لفظ "تحذیر" کی ایجاد و اختراع کا فخر حاصل ہے، پھر اس آواز کی گونج ماں شوست ہسپتال میں سنائی دی اور یکایک اس ہسپتال کے ڈاکٹر بیک آواز چلّا اُٹھے،

"بڑی شرمناک بات ہے ——— مورٹن اپنے قرض کے بوجھ سے دبا ہوا اس طرح تڑپے اور پھڑکے، مگر ہم کچھ نہ کر سکیں، کچھ نہ نہ کریں، ——— ہمارا فرض ہے کہ کانگرس کے جواب کا انتظار کیے بغیر مورٹن کے لیے جو کچھ کر سکتے ہیں کریں، کانگرس تو میکسیکو کی جنگ میں اتنی الجھی ہوئی ہے کہ وہ مورٹن کے مطالبہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی، اس کے سامنے صرف ایک فرد ——— مورٹن ——— ہی کا معاملہ نہیں ہے، ایک پورے ملک ——— امریکہ ——— کی ذمہ داری اسی کے کاندھوں پر ہے!"

ایک دن مورٹن اپنے گھر میں بیٹھا تھا! ———!

قرقی کا حکم!

قرقی کا حکم صادر ہو چکا تھا، اسے کم سے کم وقت اس گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیتا تھا، وہ کھڑکی سے جھانک کر اپنے اردگرد کے سبزہ زار پر آخری اور شاید الوداعی نظر ڈال رہا تھا، یہی پرسکون اور خاموش مقام تھا جو مخالفت اور اذیت رسانی کے اس طویل دور میں اس کا رفیق اور ندیم تھا، یہاں وہ سکون پاتا تھا، یہاں اسے ایسی محویت ملتی تھی جو اس کے غموں کو چھین لیتی تھی، یہاں آکر وہ خود بخود ہشاش بشاش ہو جاتا تھا، خواہ کتنی ہی ذرا سی دیر کے لیے کیوں نہ ہو!

مورٹن کھڑکی سے جھانک رہا تھا: ——— !

اس کے بیوی، بچے رو رہے، بلک رہے تھے، اس پرانے ساتھی کے چھوٹنے کا انھیں بھی بہت غم تھا،!

یکایک دروازے کے قریب ایک سواری کے ٹھہرنے کی آواز آئی، گاڑی میں سے چھ آدمی اترے، یہ سرکاری لباس پہنے ہوئے تھے، یہ مختلف شفاخانوں کے منتظم تھے، یہ اُس عہد کو پورا کرنے آئے تھے جو چند ڈاکٹروں نے مل بیٹھ کر مورٹن کی امداد کے سلسلہ میں کیا تھا، ان میں سے ایک شخص جو ان سب کا لیڈر تھا، وہ مورٹن کی طرف سلسلہ کلام شروع کرنے کے لیے بڑھا لیکن ———

لیکن جوشِ گریہ گلوگیر ہو گیا،: ——— !

پیش کش !

وہ کچھ نہ کہہ سکا ، اس لیے مورٹن کی طرف ہاتھ بڑھا کر چاندی کی ایک صندوقچی اس کے حوالے کر دی ، صندوقچی پر یہ الفاظ نقش تھے ،

" مورٹن کے لیے ——————

" جس نے دنیا کو تو نگر بنانے کے لیے ،

" اپنے تئیں گدا بنا لیا ' ! "

مورٹن نے صندوقچی لے لی ، کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے کھولا ، تو دیکھتا کیا ہے دو ہزار ڈالر کے نوٹ تہ بہ تہ رکھے ہوئے ہیں ، صندوقچی پر جو الفاظ نقش تھے وہ ایک بلند بانگ شکوے کے ترجمان تھے ، لوگوں کی زبانیں اسے دوہرانے لگیں اور حکومت کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے لگیں ، یہ شکوہ ، یہ ناقدری کا شکوہ کسی ایک جماعت کا نہ تھا ، پوری قوم کا تھا ، جو وہ مورٹن کے لیے حکومت کے خلاف محسوس کر رہی تھی !

اب ہر طرف یہی چرچا ہونے لگا ! ——————

جتنے منہ اتنی باتیں !

کوئی کہتا ،

" کانگرس ہلاکت آفریں آلات و اسلحہ کی خریداری میں دل کھول کر روپیہ صرف کر رہی ہے ، مگر جب اذیت زدہ انسانیت کا دکھ دور کرنے

کے لیے اس سے تھوڑی سی رقم خرچ کرنے کا تقاضا کیا جاتا ہے تو وہ بغلیں جھانکنے لگتی ہے ——————— یہ ہے ہماری کانگریس !"

اور کوئی کہتا -

" انگلستان کو دیکھو ، اپنے اکابر کے حوصلے کسی طرح بڑھاتا ہے ، اس نے چیچک کے ٹیکے کے موجد جینر کو بیس ہزار پونڈ انعام دے دیا ، کیا تحدیر کا موجد اس سے کچھ کم ہے ؟ لیکن امریکہ نے اس کے لیے کیا کیا ؟ امریکہ نے اسے کس طرح نوازا ؟ نوازا بھی ؟

کوئی پکار اٹھا

" امریکہ نے اپنے سب سے بڑے فرزند کے لیے کیا کیا ؟ کچھ بھی نہیں ! ——— ! نہیں نہیں بہت کچھ کیا ، اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا کہ اسے بھوکا مرنے اور ایڑیاں رگڑنے کے لیے خانماں برباد کر کے چھوڑ دیا ، بیشک وطن کے سپوتوں کی اسی طرح قدر افزائی کی جاتی ہے ، کیوں نہ ہو ؟"

کسی کی زبان سے آواز نکلتی

" اس سے بڑھ کر ناشکر گزاری اور محسن کشی کی کوئی مثال نہیں مل سکتی ، کیا مورس اسی سلوک کا مستحق تھا ؟ ——————— ؟

غرض جتنے منہ اتنی باتیں ، پہلے یہ باتیں لوگوں کی زبانوں پر انفرادی طور پر چڑھیں ، پھر یہی باتیں پبلک جلسوں میں کھلم کھلا کہی جانے لگیں ،

قومی ضمیر!

آخر امریکہ کا قومی ضمیر بیدار ہوا ! ——————— اور

حکومت کو اعلان کرنا پڑا کہ وہ مورٹن کو ایک لاکھ ڈالر انعام دینا چاہتی ہے حکومت نے اسے واشنگٹن آنے کی دعوت دی ؛ جہاں اس کے لیے بڑے دھوم دھام اور شاندار پیمانے پر یادگار استقبال کا اس کے شایان شان انتظام کیا گیا تھا ،

اب ذرا جاکسن کا حال سنیے :

وہ اب تک بالکل مطمئن تھا ، اپنی دانست میں وہ حریف پر بھرپور اور فیصلہ کن وار کر چکا تھا ؛ اور عین اس وقت جب اس کی خوش فہمی انتہائے عروج پر پہنچی ہوئی تھی : کیا دیکھتا ہے ، مورٹن پھرا بھرا ، اور اتنا ابھرا اڑ کر ہمدوش ثریا ہو گیا ، اس نے دیکھا وہی دشمن جس کا وہ بزعم خود خاتمہ کر چکا تھا نہ صرف زندہ ہے ، بلکہ شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ بڑھا چلا آ رہا ہے ، لوگ اس کے دیدار کے لیے ٹوٹے پڑ رہے ہیں ، پروانہ وار استقبال کے لیے خلقت جمع ہو رہی ہے ، بڑے بڑے جرنیلوں اور ہیروؤں کا کیا ایسا استقبال ہوا ہو گا ، جیسا مورٹن کا ہوا ، ——— !

فساد کا سرچشمہ !

جاکسن پھر فکرمند ہو گیا ، سوچنے لگا ، کیا اس کی تمام کوششیں رائگاں گئیں ؛ حالانکہ شر و فساد کا سرچشمہ ابھی تک اس آن بان اور زور شور کے ساتھ اُبل رہا ہے ، یہ خیال آتے ہی وہ فوراً چل کھڑا ہوا ، وہ پوسٹن پہنچا اور

وہاں کے دندان سازوں کے سنگِ در کا طواف کر کے اس نے ایک نئی یادداشت لکھوائی جس میں ان مقاصد اور امور کا اعادہ کیا گیا تھا، جنھیں وہ "حقوق" کے نام سے موسوم کرتا تھا۔ اس نے یہ احتجاجی معروضہ بڑی عجلت کے ساتھ کانگریس میں پیش کرایا، اس کا اثر یہ ہوا کہ کانگریس کو جلسہ انعام کی تاریخ بڑھانی پڑی، تاکہ اس یادداشت پر غور و فکر کا وقت مل سکے، اور فیصلہ سے پہلے ایک مرتبہ پھر غور کر لیا جائے، لیکن جو کمیٹی اس کام کی تحقیقات کے لیے مقرر ہوئی تھی، وہ جاکسن پر اوروں سے کچھ زیادہ مہربان نہ ثابت ہوئی، چنانچہ اس کا فیصلہ جاکسن کے خلاف اور مورٹن کے حق میں ہوا۔ اس نے سفارش کر دی کہ انعام کا مستحق مورٹن کے سوا کوئی اور ہرگز نہیں ہو سکتا ہے، وہی موجد ہے، اور وہی ہر سربلندی اور سرفرازی کا مستحق ہے۔

وحشی جانور!

اب جاکسن کئی سروں والا وحشی جانور بن گیا، جسے یونانی دیومالا کے مطابق ہرقلیس نے قتل کر ڈالا تھا۔ جاکسن کے شر انگیز عزائم میں ابتک، تزلزل واقع نہیں ہوا تھا، اس کے غیض و غضب اور بغض و عناد میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا، غصہ اور برہمی کے عالم میں اپنی بوٹیاں وہ خود نوچ رہا تھا اس کا بس چلتا تو وہ نہ جانے کیا کیا کر ڈالتا۔ اس نے کانگریس سے پرزور الفاظ میں مطالبہ کیا کہ مورٹن کو انعام دینے سے پہلے ایک مرتبہ پیرس اور

لندن کی میڈیکل سوسائٹیوں سے بھی رائے لے لی جائے ، ساتھ ہی ساتھ ٹیپ کا بندیہ تھا کہ

"اگر انعام کا مستحق میں ٹھہرایا گیا تو ابھی سے اعلان کیے دیتا ہوں کہ ایک لاکھ ڈالر کا انعام میں اپنی ذات کے بجائے فقرا کے لیے وقف کر دوں گا ——————— ! میں مال و زر کا بھوکا نہیں ہوں ، صرف ایک علمی حق کا استقرار اس جنگ اور کد و کاوش سے میرا مقصود ہے ' اور بس ' ! "

بے نتیجہ ایثار!

اس اعلان سے جاکسن نے سوچا یہ تھا کہ یوں وہ اپنے حریف کو بیخ و بن سے اکھیڑ دے گا ، اور اس کے لیے ایک نئی مصیبت کھڑی کر دے گا ، اور کانگرس بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گی کہ کہاں وہ شخص جو مال و زر سے بے نیاز ہے اور کہاں ایک نادار ڈینٹسٹ ، لیکن اس مرتبہ بھی جاکسن کی امیدوں پر پانی پھر گیا ، کیونکہ جاکسن کی اس سخاوت کے باوجود لوگوں کے دلوں میں اس کے بارے میں شکوک اور شبہات بڑھتے چلے جا رہے تھے ، امریکنوں کا عام خیال یہ تھا کہ اگر لیاقت اور اہلیت کے بل پر کوئی ماہر فن زر و دولت پیدا کرتا ہے ، تو یہ اس کا حق ہے ، لہذا جاکسن کے فیاضانہ اعلان کے باوجود مورٹن کے خلاف کسی کو بدگمانی نہیں ہوئی ، بلکہ لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اگر جاکسن ضمیر اور نیت کے لحاظ سے پاک

صاف ہوتا تو اس قانونی منافع اور انعام سے کبھی انکار نہ کرتا،
آخر جاکسن کی ایک نہ چلی، کانگریس نے مورٹن ہی کو انعام کا مستحق
ٹھیرایا، !!

باب ۱۶

دردانگیز کشمکش!

ایک شاعر کہتا ہے:

اَللَّیَالِیْ مِنَ الزَّمَانِ حِبَالٰی
مُثْقَلَاتٍ یَلِدْنَ کُلَّ عَجِیْبَہ

یعنی

"راتیں زمانہ سے گابھن ہوتی ہیں، اور عجیب و غریب چیزیں ان سے جنم لیتی رہتی ہیں، ——————!"

یہی حال جاکسن کا تھا!

دجل و فریب!

جاکسن کے پاس شیطانی دجل و فریب کی اتنی فراوانی تھی کہ آدمی کا ذہن مشکل ہی سے اس کا تصور کر سکتا ہے، جب ہر تدبیر میں جاکسن ناکام ہو گیا تو اس نے زندوں کو چھوڑ مُردوں کا دروازہ امداد و اعانت حاصل کرنے کے لیے کھٹکھٹایا، اس نے ہر ٹفورڈ کی راہ لی جہاں ولس کی بیوہ اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ زندگی کے دن گزار رہی تھی، وہاں جا کر وہ رہ پڑا، بیوہ عورت کو کسی نہ کسی طرح اس کا یقین دلا دیا کہ مورٹن

اس کے مرحوم شوہر کا حق غصب کر رہا ہے، یہ یقین دلا کر اسے احتجاج پیش کرنے پر آمادہ کیا، اور امریکی سینٹ کے ایک رکن کو اس کا وکیل بھی مقرر کر دیا، اور جتنی تحریریں ولس کے موجد ہونے کے بیں وہ فراہم کر سکا وہ سب وکیل کے حوالے کر کے اسے بالکل مسلح کر دیا، اب سینٹ میں یہ سوال بڑے زور شور سے اٹھ کھڑا ہوا، اور اس کے ارکان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، فریق موٹد کہتا کہ تحقیقاتی کمیٹی اس قضیے پر پانچ سال تک غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ تنہا مورٹن ہی نے اس خیال میں پہل کی، اور اس کی تحقیق کے لیے سرگرم عمل رہا، پیرس کی علمی اکیڈمی اسے سونے کا تمغہ دے چکی ہے، جو اسپیشل طور پر اسی کے لیے تیار کرایا گیا تھا، نیز زار روس، اور شاہ سویڈن بھی اسے اعزاز اور تمغے عطا کر چکے ہیں، صرف امریکہ ہی اس کا وہ وطن ہے جہاں وہ پیدا ہونے اور پروان چڑھنے کے باوجود اپنی ایجاد اور اکتشاف کا اب تک اعتراف نہ کرا سکا، اور فریق مخالف ولس کی طرف سے مدافعت کرتا اور احترام میت کا مطالبہ کرتے ہوئے لوگوں کو مردے پر ظلم کرنے سے ڈراتا، اس کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلسۂ انعام کی تاریخ ایک بار اور بڑھ گئی اب ایک اور کمیٹی بنائی گئی، جس کے ذمہ یہ کام عاید کیا گیا کہ وہ ولس کے ورثا کے دعوے کو پرکھے اور جانچے آخر اس کمیٹی نے بھی سابقہ کمیٹی کے فیصلہ کو بحال رکھا، اور میدان مورٹن ہی کے ہاتھ رہا"!

ڈاکٹر لانگ!

اس فیصلہ کے بعد جاکسن کو اپنے قدموں تلے کی زمین سرکتی ہوئی معلوم ہوئی، مگر اس نے جی کڑا کر کے اپنے ترکش میں کوئی اور تیر ٹٹولنا شروع کر دیا اس ضمن میں اسے یاد آیا کہ جیفرسن (جارجیا) میں جنوب کی جانب ایک ڈاکٹر رہتا ہے جس کا نام لانگ ہے، یہ شخص ایک حبشی غلام کی انگلی کاٹتے وقت تخدیر کا تجربہ کر چکا ہے، جس پر یہ عمل بہت کامیاب ثابت ہوا تھا جاکسن سفر کے صعوبات سہتا، اور تکالیف برداشت کرتا بالآخر وہاں جا پہنچا اور مورٹن کے بارے میں جو باتیں اس نے ولس کی بیوہ سے کہی تھیں وہی اس سے بھی کہیں، اسے اکسایا کہ دعوے کر دے کہ تخدیر کی دوا ایجاد کرنے کا فخر اسے حاصل ہے، اس بات کو ثابت کرنے کے لیے اس کی ہر قسم کی مدد کی جائے گی،

لیکن لانگ خوش حالی کی زندگی بسر کر رہا تھا، اور اپنے وطن میں ایک بلند مرتبہ پر فائز تھا، شروع شروع میں تو جاکسن کی چکنی چپڑی باتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا، نہ مالی انعامات کا لالچ اسے اپنی طرف متوجہ کر سکا لیکن شہرت کی محبت ہر چیز سے زیادہ قوی ثابت ہوتی ہے، پھر جاکسن جیسا بڑا آدمی اس کے موجد ہونے کا اعتراف کرنے پر آمادہ تھا، آخر جاکسن کا جادو کام کر گیا، اور لانگ کے دل میں گدگدی پیدا ہوئی، اس نے اپنے سکون اور عافیت کی زندگی کو خیرباد کہا اور کش مکش کے خارزار میں کود پڑا اور ایسا

گویا کہ پھر زندگی کی آخری سانس تک جسم و دماغ کی کوئی راحت اسے میسّر نہ ہوئی ، یادداشتیں لکھنے اور رجسٹروں کے کھنگالنے میں وہ مصروف و منہمک ہوگیا ، واشنگٹن کے جن دوستوں سے خط کتابت کی رسم و راہ عرصہ دراز سے بند تھی ان سے پھر یارانہ گانٹھا ، خط کتابت شروع کردی ، جاکسن اسے گھماتے پھراتے ، اور اس کے سارے معاملات روبراہ کرانے میں ہمہ تن مصروف تھا ، یہاں تک معلومات اور شہادت کی ایک ضخیم جلد مرتب ہوگئی ، ادھر سینٹ کے ارکان میں سے بعض لوگ اس نئے دعوے پر غور کرنے کے لیے تیار ہوگئے ، اس لیے یہ جلسۂ انعام ایک مرتبہ پھر غیر معیّن مدت کے لیے ملتوی کردیا گیا ،

ایتھر اور الکحل!

ایک مرتبہ اس مسئلہ نے پھر پیچیدگی اختیار کرلی ، اور اپنے اصل مقام سے ہٹ گیا ، ادھر ایک انگریز بھی دعوے دار بن بیٹھا کہ ایتھر سے پہلے الکحل کو وہ تخدیر کے لیے استعمال کرچکا ہے ' اور کامیاب ہوچکا ہے ' لہٰذا در اصل تخدیر کا موجد اور مکتشف وہ ہے ، اسی اثنا میں ایک اور شخص ہنری ہیکمان کے حق کا علم لے کر اٹھا ، حالانکہ ہنری بھی اس دنیا سے سدھار چکا تھا ، اس کا دعوےٰ تھا کہ ہنری وہ پہلا شخص تھا جس نے گیس کے سونگھنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا ، ایک اور صاحب میدان میں تشریف لائے ، انھوں نے فرمایا کہ وہ مسمریزم سے درد کے احساس

کو زائل کر دیتے ہیں، لہٰذا انعام کے وہ مستحق ہیں کوئی اور نہیں، غرض کش مکش اور جنگ زرگری کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، ہر طرف سے نئے نئے مدعی پیدا ہونے لگے، ہر طرف سے نئے مطالبوں کی بوچھاڑ ہونے لگی، ان مدعیان انعام میں زندہ اور مردہ سب ہی شریک تھے، اور سب مورٹن کے خلاف مورچہ جمائے ہوئے تھے، سب کی سعی و کوشش یہ تھی کہ انعام کا مستحق مورٹن نہ ٹھہرایا جائے، یہ فخر کسی اور ہی کے حصہ میں آئے، ایک طرف ایک لاکھ ڈالر کا انعام تھا، دوسری طرف اس کے حصول میں نئی نئی رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں، اور نئے نئے شگوفے کھل رہے تھے، کسی طرح یہ قضیہ حل ہونے ہی میں نہ آتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا، وقت کے مسائل میں اس سے بڑھ کر اہم اور معرکہ آرا کوئی دوسرا مسئلہ ہے ہی نہیں'!

بلاشبہ زندہ اور مردہ اشخاص کا یہ دل بادل قوی سے قوی نفوس کو دہشت زدہ اور پریشان بلکہ دیوانہ بنا دینے کے لیے کافی تھا'!

حق وصداقت

لیکن مورٹن حق وصداقت کے اسلحہ سے مسلّح تھا، اس لیے کوئی قوت بھی اسے شکست قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکی، کوئی شخص بھی اس کی گردن جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکا، وہ اپنے عزم و فیصلہ پر اس استقلال سے جما ہوا تھا کہ اگر خود شیطان بھی اس کے مقابلہ میں آجاتا، اور اپنے

سارے ذرائع اس کے مقابلہ میں صرف کر ڈالتا ، تو بھی وہ ہار نہ مانتا
وہ مورٹن تھا ! ! مورٹن ! ! ——— !

کانگرس کے سامنے جتنے مطالبات پیش کیے گئے ، سب پر بحث ہوئی ، سب کی چھان بین کی گئی ، پھر بھی فیصلہ سابق جوں کا توں قائم رہا ، یعنی :

" مورٹن ہی تخدیر کا حقیقی موجد ہے ! "

ارکان کانگرس کے سامنے زندہ اور مردہ جتنے دعوے دار پیش ہوئے ، بالآخر انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ، اور یکہ و تنہا مورٹن ان سب سے بازی لے گیا ،

بیم ورجا !

نزاع و جدال کا یہ سلسلہ آٹھ سال تک قائم رہا ، اتنی مدت تک مورٹن مقابلہ کرتے کرتے تھک کر چور ہو گیا تھا ، اب اس پر کمزوری ، اور بیزاری نے غلبہ پالیا تھا ، وہ بیم ورجا کی کش مکش میں گرفتار تھا ، اس مصیبت کا علاج یہی سمجھ میں آیا کہ گوشہ گیر ہو جائے ، وہ گوشہ گیر ہو گیا اب اس نے نیا میدان عمل تلاش کر لیا ،

زراعت ——————— اور
مویشیوں کی پرورش ، !

اس کے وقت کا بڑا حصہ اب انہی کاموں پر صرف ہونے لگا ،

آدمی ذہین تھا، اس میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہا، کسی سے ہیٹا نہ رہا دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنے ہمسروں سے کہیں آگے بڑھ گیا، بہت دور نکل گیا، انعامات کی کمی اس زمانہ میں بھی نہ تھی چنانچہ اس نے

اچھا دودھ مہیا کرکے،	۷۰	ڈالر
〃 سبزیاں 〃	۲۰	〃
〃 گھوڑے تیار کرکے	۱۰	〃
〃 سور 〃	۵	〃
〃 بطخوں کی تربیت کرکے	۳	〃

انعام حاصل کیا، رقم کو نہ دیکھئے، انعام کی مختلف جہات اور کام کی مختلف نوعیتوں کو دیکھئے،

قسمت کی تحریفی بھی کیا کیا تماشے دکھاتی ہے

قابل فخر ایجاد!

مورٹن جیس انعام کا سب سے زیادہ مستحق تھا، وہ نہ پا سکا، اس نے اذیت کو دور کرنے اور دکھ کو کم کرنے اور درد کو زائل کرنے کا نسخہ پیش کیا، قابل فخر ایجاد کا مالک بنا، امریکی کانگریس نے اسے انعام دینے کا فیصلہ کیا لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے کہ یہ فیصلہ قائم نہ رہ سکا، اور سب سے بڑی انسانی ایجاد پر اسے انعام دینے سے انکار کر دیا گیا، اور انعام ملا تو کس پر؟

———— دودھ، گائے اور سور وغیرہ پر، ————

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے!

باب ۱۷

جہنّم!

انسانیت کے سب سے بڑے محسن کی زندگی سبزیوں کی کاشت، اور مویشیوں کی پرورش کے لیے نہ تھی، وہ کسی اور ہی کام کے لیے پیدا ہوا تھا، وہ کسی اور ہی پیام کا حامل تھا، اور جب وہ مقصد براری کی عظمت تک نہ پہنچ سکا، تو کم از کم مصیبت کی عظمت کا دروازہ تو اس کے لیے کھل گیا، یہ عظمت تو اسے حاصل ہوگئی، ——— بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا!! ——— ہنوز مورٹن کے مصائب کی انتہا نہیں ہوتی تھی، قسمت نے پھر پانسہ پلٹا، کہ مورٹن گوشۂ عزلت سے باہر نکلے، اور ایک بار پھر اپنے سکون و عافیت کی زندگی کو خیرباد کہہ کر زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو:

سیب کا درخت!

ایک روز حسب معمول سویرے سویرے مورٹن خواب سے بیدار ہوا، پہلے مویشیوں کی دیکھ بھال کی، پھر باغ کی روش پر ٹہلنے لگا، اس وقت وہ خوش تھا، باغ کے درختوں اور ان کے پھلوں کو دیکھ کر اس کی طبیعت باغ باغ ہوتی جا رہی تھی، چلتے چلتے ایک سیب کے درخت کے

پاس پہنچا، اتنے میں ایک ہرکارہ اس کی طرف آتا ہوا نظر آیا، جس کے ہاتھ میں ایک خط تھا، یہ واشنگٹن سے آیا تھا،

امریکی سینٹ میں اس کے جو دوست تھے، یہ خط انہی میں سے کسی ایک کا تھا، اس میں لکھا تھا کہ اس عظیم الشان انعام کے حصول میں جو موانع حائل تھے، وہ بہرحال اب دور ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے ارکان کانگرس میں سے ایک فریق نے عزم کیا ہے کہ حکومت سے مطالبہ کرے کہ وہ مورٹن سے اس کی ایجاد خرید لیے تاکہ موجد کو کچھ روپیہ ہاتھ آ سکے اور وہ فراغت و آسودگی کے ساتھ اپنی زندگی کے بقیہ دن پورے کر سکے، اس خیال کا حامی جو گروہ ہے، اس کے افراد کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے، لیکن اس تجویز کو کامیاب بنانے اور بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ مورٹن بہ نفس نفیس واشنگٹن میں موجود ہو، لہٰذا اس کا جلد از جلد وہاں پہنچنا ضروری ہے،

یہ صبح بڑی عجیب تھی، ! ——— !

یہ مورٹن کی پرسکون زندگی کی آخری صبح تھی، اور وہ سیب کا درخت آخری بار آور درخت ثابت ہوا، یہ اس کی زندگی کی نہ واپس آنے والی مسرت تھی،

خواب کی تعبیر!

واشنگٹن مورٹن کو اس کے شیریں خوابوں کی تعبیر دکھا رہا تھا، اعزاز

واکرام، اور تونگری کے وعدے کر رہا تھا، گزشتہ بیس سال سے اس
کے شب و روز جس کرب اور اذیت میں گزر رہے تھے ان کے ختم کر دینے
انھیں مسرت سے بدل دینے کا وعدہ کر رہا تھا، دولت مندی کا تاج
زریں اسے پہنانے کی بشارت دے رہا تھا، کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس
بلاوے کی آواز نہ سنتا؟ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کاش اس کے پاس پر
پرواز ہوتے اور وہ اڑ کر واشنگٹن پہنچ جاتا،

کانگریس میں زیر بحث مناقشات کی ابتدا مورٹن کے حق میں رہی،
ان مباحث کے دوران میں اسے جیب پر جیت ہوتی رہی، ایسی جیت
جو اپنی نوعیت میں بے نظیر تھی، مقرروں نے اپنی تقریروں میں اور انشا
پردازوں نے اپنی تحریروں میں اس کی خوب خوب مدح سرائی کی، اس
کے اس عظیم المرتبت کارنامے کو سراہا کہ اس نے دکھ اور تکلیف کو مغلوب
کر لیا، اذیت کی وہ کھائی ختم ہو گئی، جو آدم کے ساتھ ساتھ اس دنیا
میں آئی تھی، اور فقیر بے نوا اور بادشاہ کج کلاہ سب پر طاری و ساری
تھی، سب اس کے آگے مغلوب اور بے بس تھے، کون تھا جو اس مصیبت
سے محفوظ ہو؟ جھونپڑوں میں اور محلوں میں، کارخانوں میں اور دفتروں میں،
میدانِ جنگ میں، اور گوشۂ عافیت میں ہر جگہ اور ہر مقام پر یہ بلا موجود
تھی، لیکن اب مورٹن نے اس کے استیصال کا راز معلوم کر لیا تھا، یہ وہ
بلا تھی، جس کی زد سے نہ بچے محفوظ تھے، نہ جوان نہ بوڑھے، پہلے کتنے
ایسے مریض تھے جو درد و اذیت کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دیتے تھے

کتنے مردِ میدان اور بہادر ایسے تھے جو تخدیر کے انکشاف سے پہلے جرّاح کا نشتر دیکھتے ہی لرزا ٹھتے تھے، کانپ جاتے تھے، آج یہ ساری تکلیفیں مورٹن کی ذہانت اور فراست کی بدولت افسانۂ پارینہ بن چکی تھیں، ایسی صورت میں کہ خود حکومت نے بھی اس کی ایجاد سے خاطرخواہ فائدہ اٹھایا، کیا یہ عین تقاضائے عدل و انصاف نہیں تھا کہ وہ اسے بیش قرار اور معقول معاوضہ دیتی؟ کیا حکومت کی یہ زیادتی نہ تھی کہ اس نے انعام سے اب تک اسے محروم کر رکھا تھا؟ کیا حکومت یہ نہیں کر سکتی کہ وہ اس لائسنس کو خریدے جو اس نے مورٹن کو عطا کیا تھا؟

ہنگامۂ مخالفت

لیکن ٹریجڈی ابھی ختم کہاں ہوئی تھی؟

یہ تو صرف ایک باب تھا جو ختم ہوا تھا، اور دوسرا باب اب شروع ہو رہا تھا، !——— !

ایسا معلوم ہوتا تھا قدرت نے اسے اتنی بلندی اس لیے دی تھی کہ زیادہ سے زیادہ پستی میں وہ گر سکے، معترضین اور مخالفین کی آوازیں چاروں طرف سے بلند ہوئیں اور حکومت پر نکتہ چینی شروع ہوگئی کہ وہ ایسی کھوکھلی چیز خرید کر قوم کا سرمایہ ضائع نہ کرے جس کی وہ مالک نہیں صرف امین ہے ساتھ ہی مورٹن پر بھی لعنت ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی کہ اس نے پہلے کیوں نہ احتجاج کیا؟ پہلے کیوں نہ اپنا حق طلب کیا؟ جب بغیر کسی معاوضہ کے

فوج میں اس کی ایجاد کا استعمال ہوا تھا، اس وقت کیوں نہ وہ بولیں؟ کیوں نہ اس نے مداخلت کی اور استعمال رکوا دیا! وہ شفاخانوں پر چڑھائی کرتا اور آپریشن کرتے وقت سرجنوں کے ہاتھ سے ایتھر کا شیشہ چھین لیتا، ——————— یہ مخالفت ایسے اندھا دھند اور زبردست طریقے سے شروع ہوئی کہ مورٹن کے آلے کے حواس گم ہو گئے، وہ حواس باختہ ہو گیا، اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ آخر کرے تو کیا کرے؟

مورٹن کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ الٹے قدموں وہاں واپس چلا جائے، جہاں سے آیا تھا، عین اس مرحلہ پر اسے یاد آیا کہ دنیا کے ایک گوشہ میں اسے ایک پرسکون جگہ بھی حاصل ہے، جہاں پھل دار درختوں اور میووں سے بھرا ہوا ایک باغ ہے، مویشی ہیں، زمین ہے، جس سے فصل اگتی ہے، اور زمیندار و کاشتکار دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے، اس کا کھیت ہے، جو سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ مسرت و اطمینان کا پیام لاتا ہے جہاں سورج جب غروب ہوتا ہے، تو بھی ایک سرخوشی کا سماں پیدا ہو جاتا ہے، ——————— وہاں راحت اطمینان اور سلامتی موجود ہے!

دوستوں کا مشورہ

لیکن ابھی مورٹن کا المیہ ختم نہیں ہوا تھا! ———————

مورٹن کو ابھی بدبختی، ذلت، نامرادی اور سب و شتم کا پوری طرح نشانہ بننا باقی تھا، اس لیے وہ اپنے گھر اتنی آسانی اور خاموشی کے ساتھ کیسے چلا جاتا؟ اس کے دوستوں نے مشورہ دیا!

"ابھی تم جانے کا قصد نہ کرو، ٹھہرو، اپنا معاملہ صدر یونین کے سامنے پیش کرو، خود اس سے گفتگو کرو، اپنا حق مانگو، اپنا انعام طلب کرو، اپنے معاوضہ کا تقاضا کرو، کانگرس اور سینٹ کے ممبروں کی بہت بڑی تعداد تمہارے ساتھ ہے، اس زمانہ میں یونین کا صدر فرینکلن تھا، یہ ایک جمہوریت پسند شخص تھا، دل کا نیک، اور طبیعت کا نرم، اس نے یہ مطالبہ تحقیقات کے لیے ایک مجلس کے سپرد کر دیا، اس کام کے لیے بہر حال کچھ وقت درکار تھا، لہٰذا مورٹن کا قیام ضروری ہو گیا، اور اسے ٹھہر جانا پڑا،

مصیبتوں کی کثرت!

اب پھر دن اور مہینے گزرنے لگے، اور مورٹن پر قرضے کی بھرمار ہونے لگی؛ ادھر اس کی عرضداشت دفتری چکر میں پڑ کر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر طواف کرنے لگی، ان مصیبتوں کے علاوہ دوسری مصیبت یہ تھی کہ ایک طرف سے جاکسن وار کرتا، دوسری جانب سے لانگ حملہ کرتا، ان متواتر حادثوں نے اس کی صحت کو گھن کی طرح چاٹنا شروع کر دیا، وہ مفلس پہلے ہی ہو چکا تھا، اب ضعیف اور کمزور بھی ہو گیا، آخر وہ مجبور

ہوگیا کہ اپنی متاع کی ایک ایک چیز فروخت کر دے، اس نے یہی کیا، پہلے کھیت بیچا، پھر دوسری چیزیں، یہاں تک کہ سونے کا تمغہ بھی فروخت کر دیا جو اسے پیرس اکاڈمی نے اس کی علمی منزلت کے اعتراف کے طور پر ہدیہ کی صورت میں اسے پیش کیا تھا۔ اور جسے وہ بہت عزیز رکھتا تھا، لیکن اسے یہ تمغہ بھی بیچ دینا پڑا،

اس موقع پر اس مسئلہ نے ایک نئی صورت اختیار کر لی، لوگوں کی توجہ اس جنگ کی طرف زیادہ شدت سے مبذول ہو گئی، جو امریکہ کی شمالی اور جنوبی ریاستوں میں انسداد غلامی کے لیے چھڑ گئی تھی ——— ———!!

باب ۱۸

کشمکش کا انجام!

۱۸۵۲ء میں جب امریکی سینٹ کی توجہ مسئلہ تخدیہ پر مبذول تھی، اور وہ اس کشمکش و پیچ میں تھی کہ ایک لاکھ ڈالر انعام کے مدعیانِ استحقاق میں سے واقعی اور اصلی طور پر کون برسرِ حق ہے، عین اسی زمانہ میں ایک نئی کتاب شائع ہوئی، جس کا نام تھا "چچا ٹام کی جھونپڑی"! یہ بڑی معرکہ آرا کتاب تھی، یہ اس لیے لکھی گئی تھی کہ بندگی اور غلامی کی زنجیریں توڑ دے انسان! انسان پر جو ظلم و ستم کر رہا ہے، اس استبداد کا خاتمہ کر دے لوگ قوریت کے بعد اسے ان نادر کتابوں میں شمار کرتے تھے جن کو انسانی زندگی تبدیل کرنے میں بڑا دخل رہا ہے، اس کا سبب یہ تھا کہ کتاب کا مؤلف اس بات سے واقف تھا کہ لوگوں کے دلوں میں حمیت و غیرت کو کس طرح اکسایا جاتا ہے؟ اس نے اس کتاب میں غلاموں کے حال زار اور جنوبی امریکہ میں ان کی بدبختی کی ایسی دردانگیز اور عبرتناک تصویر کھینچی تھی جسے پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے!

بہت اہم مسئلہ

غلامی کا مسئلہ امریکہ کے تینوں صدور کے عہد میں جو لنکن کی صدارت

سے پہلے تھا اتنی اہمیت حاصل کر چکا تھا کہ اب نہ اسے چشم مردم سے نہاں رکھا جا سکتا تھا، نہ نظر انداز کیا جا سکتا تھا، ادھر مشہور عالم معاشیات ٹیلر کے زمانہ میں ان مفرور غلاموں کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا جو امریکہ کی جنوبی ریاستوں سے بھاگ کر آزاد علاقوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور اس وقت کے اصول اور قاعدہ کے لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ انھیں ان کے سابق آقاؤں کی خدمت میں پھر واپس کر دیا جائے،

ظلم کا مقابلہ!

لیکن جو قانون مدوّن ہوئے اور تحریر میں آئے بغیر انسانی قلوب کے صفحات پر نقش ہے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس ننگ انسانیت ظلم کو روکا جائے، لہٰذا ان دونوں قانونوں ——————

حکومت وقت کے قانون اور فطرت انسانی کے قانون ——————

میں تصادم ہوا، اس عہد کے بعض رؤسا اور بہت سے ذی اثر سیاست دان اس ظلم کی تلافی کے لیے کمربستہ ہو چکے تھے، یہ وہ عہد تھا کہ امریکہ میں ایک نیا، روشن اور تابناک عہد طلوع ہو رہا تھا، کیلیفورنیا میں سونے کی کانیں کھودی جا چکی تھیں، نئی دنیا —— امریکہ —— کے اطراف و اکناف میں ریلوے لائن کا جال بچھایا جا رہا تھا، صنعت اور فن میں زبردست ترقی اور نشوونما کا دور شروع ہو چکا تھا، ہر جانب کامیابی ہی کامیابی نظر آتی تھی، ہر طرف دولت و ثروت کی افراط تھی،

خوش حالی اور فارغ البالی کا عام دور دورہ تھا، لوگ خوش اور مطمئن تھے آسودہ اور بے نیاز تھے، تونگر اور مالدار تھے۔ اس لیے سہل وار کرکے اس مبارک تحریک کو روکنے اور اس کے آڑے آنے کا کوئی جذبہ ان کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔

اس موقع پر "چچا ٹام کی جھونپڑی" نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے ارباب حکومت نے نہ کیا تھا۔ اس کتاب کی اشاعت کو دس سال کی مدت بھی نہ گزری تھی کہ اس کے مضامین لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح رچ گئے کوئی ایسا شخص نہ رہا جس کے دل میں غلاموں کے لیے رحم و شفقت کا جذبہ نہ ابھر آیا ہو، جو مظلوم غلاموں کا ہمدرد نہ ہو اور ظالم آقاؤں سے نفرت نہ رکھتا ہو۔ اس اصلاحی تحریک کی قیادت، ماساچوسٹ کے حصہ میں آئی۔ اس وقت شورش انگیز اور انقلاب آفریں خیالات ایک شرارے کے منتظر تھے، جو شمالی اور جنوبی ریاستوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکا دے۔ زیادہ طویل انتظار نہ کرنا پڑا۔ جنوب کی ساتوں ریاستوں کا قیام بارود میں بتی لگانے کے لیے کافی ہو گیا۔ لیکن اس لڑائی کو حقیقی قوت لنکن کے سوا کسی اور سے نہ ملی۔ اس تحریک میں اس لڑائی میں صحیح شدت اور جوش اور حرکت اس وقت پیدا ہوئی جب لنکن نے اپنے انتخاب کی شب میں یہ الفاظ استعمال کیے:——————

لنکن کے الفاظ!

"میں غلام بنانے سے نفرت کرتا ہوں، کیونکہ یہ ظلم ہے"

اس سے ہماری تنظیم کے دشمنوں کو ہم پر ریاکاری کی تہمت لگانے کا موقع ملتا ہے، میں غلامی سے اس لیے متنفر ہوں کہ وہ حریت دوستوں کے لیے ہمارے اخلاص کے خلاف جائز شکایت کی راہ ہموار کرتی ہے ——————!"

لنکن جیسے ہی صدر جمہوریۂ امریکہ منتخب ہوا، اس نے ایک فرمان صادر کیا، جو آغاز ماہ جنوری ۱۸۶۳ء سے جنوب کی ریاستوں میں تمام حبشی غلاموں کے لیے بہ دانۂ حریت کی صورت میں نمودار ہوا، اس کے بعد ہی وہ ہولناک جنگ چھڑ گئی، جس کی نسبت بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایسی خونریز لڑائی چشم فلک نے بھی کبھی نہ دیکھی ہوگی،

تاریک زمانہ

ایسے تاریک زمانہ میں جب جنرل گرانٹ کی فوجیں مغربی علاقہ کو باغیوں سے چھیننے میں مصروف تھیں، اور جنرل موصوف کا حملہ رچمنڈ پر شروع ہو رہا تھا، توپیں ورجینا کے میدانوں میں گرج گرج کر گولے برسا رہی تھیں، راستے لاشوں سے پٹے پڑے تھے، زخمی تلے اوپر میدان جنگ میں سسک رہے تھے، ان کے کپڑے خون اور کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے، موت میدان جنگ شفاخانوں کا چکر کاٹ رہی تھی، شفاخانے، ٹوٹے اور شکستہ اور دریدہ خیموں میں اپنی کارگزاری کے سلسلہ جمائے ہوئے تھے، زخمیوں کی چیخ پکار اور دم توڑنے والوں کی دردناک صدائیں آسمان تک پہنچ رہی تھیں

اور انہی جگر فگار اور لرزہ خیز مناظر کے درمیان ایک منظر یہ بھی پیش نظر تھا کہ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی جس کے چہرے سے شفقت اور ہمدردی کے آثار نمایاں تھے ایک ہاتھ میں رومال اور دوسرے میں ایتھر کا شیشہ لیے ہوئے بے تکان طریقہ پر ادھر سے ادھر پھرتا نظر آتا تھا، جس کے پیچھے پیچھے دو ڈاکٹر ایک عمل جراحی کرنے کے لیے، اور دوسرا مرہم پٹی کرنے کے لیے ——— ساتھ ساتھ، قدم بہ قدم موجود تھے ———

——— یہ آدمی وہی بدنام اور معتوب و مظلوم مورٹن تھا! ———

——— جو لوگوں کی سرد مہری، ناقدردانی اور ناشکر گزاری کے باوجود اس جنگ میں اپنا حصہ مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ جوش اور ولولہ کے ساتھ ادا کر رہا تھا۔ یہ صبح سے شام تک کام میں لگا رہتا تھا، اور کبھی کبھی سیکڑوں آدمیوں کو زخموں کی تکلیف سے چھڑانے کے لیے رات کو شمع کی روشنی میں بھی کام کیا کرتا تھا، کام کرتے کرتے اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے تھے، دماغ چکرا جاتا تھا، مگر اس کی ہمت تھکنا نہیں جانتی تھی، اس کے جذبۂ صادق پر تکان کے آثار کبھی طاری نہیں ہوئے ———

——— سپاہی یہ اطمینان حاصل کر لینے کے بعد کہ جراح کے نشتر کی تکلیف اب بالکل وہم و خیال ہے، بڑے اطمینان کے ساتھ مسکراتے ہوئے آتے اور اپنے آپ کو جراح کے حوالے کر دیتے، مورٹن نے موجودہ دشواریوں اور ماضی کے صدموں کے درمیان موانست پیدا کر لی تھی! وہ دردمند اور نگار انسانیت کی خدمت میں ایسا

سکون محسوس کر رہا تھا جس نے حکومت کی مزاحمتوں اور اس کے جھوٹے وعدوں، طفل تسلیوں اور ناسپاسیوں کے آلام کی تلافی کر دی تھی، وہ اس بات سے پورے طور پر خوش اور مطمئن تھا کہ اپنے بھائیوں اور ہم وطنوں کا دکھ درد کم کرنے میں کسی نہ کسی حد تک کام آ رہا ہے، وہ اس کام کو اپنی ساری اذیتوں اور درماندگیوں کا بہترین انعام اور نعم البدل سمجھتا تھا اس پر خوش اور قانع تھا،

فوجوں کا مقابلہ

جنوب کی فوجیں جنرل "لی" کی قیادت میں دفاع پر جان دے رہی تھیں کیونکہ اس طرح انھیں اپنے املاک، روایات، اخلاق عالیہ اور خدمات شرف کی مدافعت کا موقع حاصل تھا، شمال کے لوگ چاہتے تھے کہ غلاموں پر جنوب والوں کو جو تسلط حاصل ہے، وہ ان سے چھین لیں، حالانکہ انہی غلاموں پر ان کی دولت و ثروت، امارت اور تونگری کا انحصار تھا، اہل عثمان کا دعوے تھا کہ غلامی ایک خلاف انسانیت عمل ہے، لیکن وہ اس کے بدلے میں انھیں کیا دے رہے تھے؟ سرمایہ داروں، اور ڈالر کی دوڑ میں مسابقت کرنے والوں کی نفع اندوزی؟ ——— مگر یہی وہ چیز تھی جس سے جنوب کے لوگ بھاگتے تھے، اسی لیے ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور جو لوگ روایات پرستی اور اسلاف نوازی کے بڑے

حامی تھے، وہ شمال کی طرف سے اس مٹی روح کے ابھار کو روکنے کے لیے ان میں شامل ہو جاتے تھے،

جارجیا جنگ کے مادی وسائل کی کثرت اور اپنے باشندوں کی بہادری کی وجہ سے مدافعین کی صف میں سب سے پیش پیش تھا، ڈاکٹر لانگ ہمت و خلوص جیسے صفات کے ساتھ (جنھیں متحاربین کی دوسری سمت میں مورٹن ظاہر کر رہا تھا) جارجیا کی صفوں میں سرگرم خدمت تھا، دشمن روز بروز قریب سے قریب تر آتے جا رہے تھے اس لیے لانگ ایتیھنیا میں اپنے مکان کی طرف تیزی سے روانہ ہوا اور اپنی ایجاد پر دلالت کرنے والے کاغذات کا بنڈل اپنی بیٹی کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے کسی درخت کے تنے میں چھپا دے، تاکہ بدچشم مردم سے نہاں رہے، اور صرف بوقت ضرورت ہی اسے کام میں لایا جا سکے،

لڑائی کا خاتمہ!

یہ لڑائی شمال والوں کی جیت، غلامی کی دائمی تنسیخ اور جنوب کے یونین کی طرف لوٹنے پر ختم ہوئی، اس طرح شجاعت و دلیری سے بھرا ہوا تاریخ کا ایک ورق الٹا، اور زندگی پھر اپنی طبیعی نہج پر آ گئی، ایک اپنے کارخانے کو واپس ہوا تو دوسرا اپنے کھیت کو، تیسرے نے سیاست کی طرف توجہ کی، چوتھا بینکنگ کی طرف مائل ہوا، غرض جس کا

جدھر سینگ سمایا چل دیا ، سب اپنے اپنے آرام اور عافیت کے لیے نئی زندگی سے مانوس ہو گئے ، اور اس پر مطمئن کہ ملک کی کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھیں ، وہ ملک جو دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند ، سب سے زیادہ قوی اور توانا اور سب سے بڑا صناع اور فن کار بننے کی کوشش کر رہا تھا ، جس کا مستقبل حال سے کہیں زیادہ روشن اور تابناک تھا ،

پیمانۂ صبر!

مورٹن بھی اپنے باغ اور کھیت کی طرف پلٹ آیا ، صدموں اور شقتوں نے اسے بالکل بے دم کر دیا تھا ، اس کے اندر جو شعلہ زمانہ جنگ میں درخشاں نظر آ رہا تھا ، وہ بجھ گیا تھا ، اب مایوسی کا اس پر پورے طور پر قبضہ تھا ، ادھر ڈاکٹر جاکسن اس کے خلاف زہر اگلنے اور تہمتیں تراشنے میں سرگرمی سے مصروف تھا ، ان باتوں نے مورٹن کا پیمانۂ صبر لبریز کر دیا اور اب اس نے مدافعت کے لیے نیویارک میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا ، مگر وقت آ چکا تھا ، غریب جانبر نہ ہو سکا ، اور راستے ہی میں سکتہ ، قلبی کا شکار ہو کر فوت ہو گیا ، وفات کے وقت اس کی عمر صرف ۴۹ سال کی تھی ، اس طرح مورٹن کے لیے جاکسن کی لڑائی جنوبی و شمالی ریاستوں کی لڑائی سے کہیں زیادہ مہلک ثابت ہوئی ،

مورٹن کا مرتبہ!

میچل _____ ڈاکٹر بھی تھا، اور شاعر بھی، اس نے مورٹن کا مرثیہ لکھا، وہ لکھتا ہے:

"ہم نے مورٹن کو کیا صلہ دیا؟
"خوشی کے شادیانے بجائے گئے، نہ فتح و نصرت کے ترانے گائے گئے،
نہ کسی شاعر نے کوئی قصیدہ سنایا،
نہ ساحل کے بلند مقام سے اس کی نمایاں کامیابی کے اعلان کے طور پر توپیں سر کی گئیں،
ہم نے،
اس کے فیاضانہ عطیہ کو جو اس نے بڑی سادگی اور تواضع کے ساتھ پیش کیا تھا، قبول کر لیا،
اور اپنے قرض کو،
آسمان پر جگہ دی،
ہم اس کے لیے ثنا و صفت کے ہار کیسے بنائیں؟
بے شک اس کے لیے مبارک گھنٹہ بج چکا ہے،
اور اس میں کوئی شک نہیں
کہ ایک زیادہ قوی اور منصف قوت عنقریب اس شریف

روح کو صلہ دے گی، !"

رہا لانگ، تو اس پر بھی اس لڑائی نے خاصا اثر کیا، اس کی صحت بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہی، ناامیدی اس پر بھی چھا گئی، اس کے جن حقوق کے لیے جاکسن نے راہ ہموار کردی تھی لانگ اب راستے سے ہٹتا جا رہا تھا وہ ایک دن ایک عورت کا دردِ زہ کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دفعتہً اس کے ہاتھ سے ایتھر کی بوتل گر گئی، ———

لانگ اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا !!

اطمینان و سکون!

اب تینوں حریفوں میں سے جاکسن کے سوا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا، وہ اب مطمئن تھا کہ دونوں حریفوں کی قبر کی مٹی مخالفت کی آواز کو دفن کر چکی ہے، لیکن جلد ہی اس کی غلطی واضح ہو گئی، تھوڑے ہی دنوں کے بعد مورٹن کا ذکر اس کثرت سے ہونے لگا کہ جاکسن اس فکر میں پڑ گیا کہ کہیں یہ آوازیں مورٹن کی قبر سے نکلتی اور خشک و تر کو طے کرتی ہوئی ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں تو نہیں لے لیں گی؟ ———

جب بھی کوئی اخبار یا رسالہ کھولتا تو اس کی نگاہیں اسی نزاع کے تذکرے سے ٹکراتیں، جس میں وہ اپنی عمرِ عزیز صرف کر چکا تھا، یعنی یہ کہ:

"تخدیر کا موجد مورٹن ہے !"

"مورٹن انسانیت کا سب سے بڑا محسن تھا!"

پھر یہی آواز پیرس، لندن، برلن اور تمام ممالک کے دارالسلطنتوں میں گونجتی سنائی دیتی،

اب جاکسن نے محسوس کیا کہ وہ جس منافقے کو بیس سال سے برپا کیے ہوئے تھا اور جس لڑائی کو جیتنے کے لیے اپنی تمام فراست، ہوشیاری، شہرت، علم اور اثر و رسوخ کی بازی لگادی تھی، وہ ہنوز طے نہیں ہوئی، وہ اب تک قائم ہے، وہ جب بھی اپنے حریف مورٹن کا نام انسانوں کے حافظے سے مٹانا چاہے اس کا فرض ہوگا کہ اس نام کو ہر تقریر، ہر تحریر ہر گفتگو سے مٹادے، لیکن کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟

احتجاج پر احتجاج!

اب یہی فکر دن رات اس کے دل و دماغ پر مسلط رہنے لگی، اس کے وقت کا بڑا حصہ مقالات اور رضامین لکھنے، احتجاج پر احتجاج کرنے، لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے میں صرف ہو جاتا، وہ رات کو دیر تک جاگتا، اکثر رات رات بھر جاگتا رہتا، اس کثرت کار نے اسے شراب کا متوالا بنا دیا، وہ شراب کے جام پر جام چڑھانے لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے طبقات الارض کے متعلق اس کے تحقیقاتی کاموں کی طرف سے بے اعتنائی برتنی شروع کر دی، کیونکہ شراب اور کام ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے، وہ اپنے اصل کام

سے غافل رہنے لگا تھا،

ماہ جولائی کے گرم دنوں میں ایک مرتبہ اس نے قلم اٹھایا اور وہ آخری مقالہ لکھا جس میں ساری دنیا سے اور ان لوگوں سے اپنا حساب صاف کیا جنھوں نے مورٹن کی وفات کے بعد پانچ سال تک یہ کوشش جاری رکھی کہ اس کے مخلص بنیں، اور اس کی طرف سے مدافعت کرتے رہیں، اس رات وہ بہت زیادہ مقدار میں وسکی پینے کے بعد حسب عادت صبح تک کام کرتا رہا، پھر سو گیا، اور ظہر کے وقت اٹھا، تو اس پر کمزوری غالب تھی، اور ہاتھ پاؤں بھاری ہو رہے تھے، شام کے وقت اس نے گھر چھوڑا، اور بوسٹن کے مقبرے (مورٹن کے مقبرے) کا رُخ کیا، اس وقت اس پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ وہ خود نہ جانتا تھا کہ کیا کر رہا ہے؟

لوحِ مزار!

اس وقت زائرین قبور کی تعداد بہت کم تھی، وہ مقبروں کے درمیان چلتے چلتے ایک قبر کے سامنے پہنچا تو یہ لوح مزار اس کی نظر سے گزری،

"یہاں تحذیر کا موجد مورٹن خدا کے پاس محوِ خواب ہے"!

جراحی اس سے پہلے جہنم بنی ہوئی تھی اس کی بدولت جنت بن گئی،

اس وقت سورج ڈوبنے کو تھا ۔ !

لیکن جاکسن کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سر پہ آگیا ہے ، اور دنیا کو ایک نئے نور سے منور کیے ہوئے ہے ، پھر یہ ایک نہیں ہزاروں سورج ہیں ، جو اس قبر پر اور اس کے کتبے پر اپنی کرنیں نچھاور کر رہے ہیں ، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے سورج کی روشنی کا مقصد ہی صرف یہ رہ گیا ہے کہ ان حروف کو اور زیادہ روشن اور زیادہ تابندہ کر دے ، یہ روشنی صرف آج ہی کے دن کی نہیں ، بلکہ تمام سابقہ اور لاحقہ دنوں کے سورج کی روشنی ہے ، اس ابدی سورج کی روشنی ہے جو تمام زمانوں میں چمکتا رہا ہے ، اور ہمیشہ چمکتا رہے گا ،

نقش کالجر !

اب جاکسن نے دوبارہ وہی الفاظ پڑھے ، اور اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ جس بات کو وہ مٹانا چاہتا ہے ، وہ نقش کالجر بن چکی ہے ، اور جب تک بوسٹن نام کا شہر رہے گا ، سورج ان الفاظ کو روشن کرنے کے لیے ہر روز طلوع ہوا کرے گا ، لوگ اس کی روشنی میں ہمیشہ ہمیشہ یہ الفاظ پڑھتے رہیں گے ،

" تحریر کا موجد مارٹن ہے ! "

اس نے سوچا ،

" رسالے ، کتابیں ، ہجویں ، احتجاج اور مقالات یہ سب کیا کام آئینگے ؟

جس وقت جاکسن نے یہ محسوس کیا تو اسے ایسا معلوم ہوا جیسے ڈوبتا سورج آگ کی ایک سلاخ کی طرح رات کی آغوش میں جا دبکا، بلکہ دنیا کے تمام سورج، سمندر کے ظلمات میں اور ایسی ابدی رات میں ڈوب گئے، جیسے پھر کبھی کوئی سورج نہ چمکے گا، اسی وقت اس نے چیخنا اور اس تاریکی میں جو گویا اسے نگلنے کے لیے اپنا منہ کھولے ہوئے تھی، دیوانوں کی سی حرکتیں کرنا شروع کر دیں، وہ ہوا اور زمین پر اپنے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، اس کا منہ جھاگ سے بھرا ہوا تھا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس نے راہ گیروں کو بھنبھوڑنا شروع کر دیا، آخر لوگوں نے اس کی شورش اور ہیجان پر غلبہ پایا، اور اسے پاگل خانے پہنچا دیا جہاں قبل اس کے کہ خاکِ گور اسے اپنے دامن میں چھپالے، سات سال تک وہ عقل و حواس سے بیگانہ، دیوانگی کے عالم میں ایڑیاں رگڑتا رہا،

خودکشی!

ولسن نے قید خانہ میں خودکشی کی، لانگ بوڑھا پھوس ہو کر مرا، جاکسن دیوانہ ہو گیا، اور ۷۰ سال کی عمر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جہاں گزراں سے رخصت ہو گیا،

اس طرح ایتھر کے مدعیان ایجاد ایک ایک کر کے اس دنیا سے اٹھ گئے، کیا خوب کہا ہے شاعر نے،

تَبْنِيْ وَيَهْدِمُكَ الزَّمَانُ وَهٰكَذَا
يَبْقَى الْبِنَاءُ وَلَيْسَ يَبْقَى الْبَانِيْ

یعنی:

تعمیر عمارت کرتے ہو تم، اور تم کو مٹا دیتا ہے جہاں اس طرح عمارت رہ جاتی ہے، باقی عمارت مٹ جاتا ہے!

باب ۱۹

دردِ زہ !

ادھر عمل جراحی کے سلسلہ میں تخدیر کا راز معلوم کرنے والے اس کے تجربات و اعمال میں مصروف تھے، اور آپس میں دست و گریباں رہنے کے بعد اس راہ پر گامزن تھے، جو بالآخر قدرت نے ان کے لیے مقرر کر دی تھی، ادھر یہ ایجاد اپنی جگہ نور بنا رہی تھی، اور روز بروز پروان چڑھ رہی تھی، اس میں خوبی اور کمال کے صفات بتدریج ترقی کر رہے تھے، ہر نئے تجربہ کے بعد ایک خاص اہمیت، تاثیر میں وسعت اور خطرے سے حفاظت کا سامان مہیا ہو جاتا تھا،

نشتر پر فتح !

تخدیر کے ساتھ سب سے پہلا عمل جراحی جو ڈاکٹروں نے ماں سوشت کے شفاخانے میں کیا تھا، اور جس میں نشتر کی تکلیف پر پہلی اور زبردست فتح حاصل ہوئی تھی، اس کو ابھی پورا ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ایک عجیب واقعہ دردِ زہ پر قابو پانے کا رونما ہوا،

ماما حوا جو جنت سے شجر ممنوعہ (گندم) کا پھل کھانے پر خطا کار قرار پائی تھیں اور وہاں سے بابا آدم کے ساتھ خارج کر دی گئی تھیں اس پر

ایک مصیبت یہ نازل کی گئی تھی کہ ان کی اولاد ہمیشہ درد اور تکلیف کے ساتھ پیدا ہوا کرے گی، عہد عتیق اس مصیبت کو نسلاً بعد نسل برابر دوہراتا رہا گویا یہ ایک ورثہ تھا جسے اولاد آدم ایک سے دوسرے کی طرف برابر منتقل کرتی چلی آ رہی تھی، اشعیا ۲۶ ویں فصل میں یہ کہتے سنائی دیتے ہیں:

"جس طرح حاملہ عورتیں دردِ زہ کے وقت کراہتی اور چیختی ہیں اے خدا ہم تیرے سامنے فریاد کرتے ہیں!"

ہم "سفر تکوین" کی ۳۵ ویں فصل میں پڑھتے ہیں:

"اس درمیان میں کہ وہ فرات سے ایک میل کے فاصلہ پر تھے، راحیل کے بچہ پیدا ہوا، ولادت بڑی تکلیف اور اذیت کے ساتھ ہوئی، جب اذیت بڑھی، تو دایہ نے کہا 'ڈر نہیں، یہ تیرا بچہ ہے'!"

مصائب کا ذکر!

قدمائے یونان کے ہاں بھی ولادت کے ضمن میں معبودوں کی زبان سے ولادت کی متعدد تکالیف اور مصائب کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی دیومالا میں مذکور ہے کہ چاند کی دیوی سلنہ[1] نے جو پیٹر سے مطالبہ کیا کہ اسے ہمیشہ کے لیے کنواری رہنے دے تاکہ اسے ولادت کی تکلیف نہ ہو، لیکن وہ ایک

(1) SELENE.

خوبصورت چرواہے کی محبت میں مبتلا ہو گئی، جس کے پاس وہ اس کے غار کے اندر ہر رات کو جا پہنچتی، یہ بات معلوم کر کے اولمپیا کا دیوتا اپنی نذر میں خلل واقع ہو جانے کے سبب برہم ہوا اور اس نے بددعا دی کہ "تو پچاس مرتبہ بچہ جنے گی تاکہ تجھے پچاس مرتبہ دردِ زہ کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑے!" اور اس غرض سے کہ اس لعنت کے اثرات میں زیادہ شدت ہو، سلنہ کے پیٹ سے ہمیشہ لڑکیاں ہی پیدا ہوتی تھیں، ان میں سے ہر ایک ماں بنتی، اور دردِ زہ کی تکلیف سے دوچار ہوتی،

انسان نے صرف اسی لعنت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ طبیعت کی فسادت میں اپنی وحشیانہ ایذا پسندی سے اور اضافہ کیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ سولھویں صدی میں ایک شخص کو ایک ایسا آلہ ایجاد کرنے میں کامیابی ہوئی جس کے ذریعہ حاملہ کے پیٹ سے جنین کو کھینچ لیا جاتا تھا یہ ولادت کے وقت استعمال کرنے کا چمٹا تھا جس کے استعمال سے دردِ زہ کی مدت کم ہو جاتی تھی اور ولادت کے خطرات گھٹ جاتے تھے لیکن اس آلے کا استعمال عام ہونے اور ہر ڈاکٹر کی دسترس میں آنے کے بجائے اس کا فائدہ موجد کی ذات اور اس کے خاندان تک محدود رہا، اس شخص کا نام چیمبرلین تھا جو ہوگنو سے انگلستان میں آکر پناہ گزیں ہو گیا تھا، یہ شخص بڑا حریص اور طمّاع تھا، اس نے اس ایجاد کا راز اپنے دو ڈاکٹر بیٹوں کے سوا کسی اور کو نہیں بتایا، اس طرح

ان دونوں کی تجارت ماؤں کے منہ وانہ سے فائدہ اٹھانے پر قائم رہی، ان کی قساوت اور خود غرضی کا یہ عالم تھا کہ یہ درد سے اینٹھتے اور بل کھاتے ہوئے جسم پر نظر کرتے تھے نہ آنتوں اور کانوں کو پھاڑنے والی چیخوں کی پروا کرتے تھے، صرف دولت کمانے پر ان کی نظر رہتی تھی، اس طرح انھوں نے بے شمار دولت جمع کر لی، نہ جانے کتنی عورتیں تھیں جو ولادت کے موقع پر سخت تکلیف میں مبتلا ہوتیں مگر ان میں فیس ادا کرنے کی استطاعت نہ ہوتی، یہ دونوں ڈاکٹر ان بیچاریوں کو اسی طرح عذاب اور سکرات کی حالت میں چھوڑ دیتے اور ذرا بھی رحم نہ کرتے، ان کے رحم کو اسی وقت حرکت ہوتی جب انھیں فیس مل جاتی،

راز کی خرید و فروخت

ہالینڈ کے ایک شخص نے ان کے تموّل کو دیکھا تو بہکانے کے لیے طرح طرح کے طریقے اختیار کر کے انھیں یہ راز فروخت کرنے پر آمادہ کر لیا، اس کے بعد اس شخص سے کسی اور نے یہ بھید خرید لیا، اس نے یہ راز اپنی بیٹی کو وراثت میں منتقل کیا، اس لڑکی نے یہ راز دو جراحوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا، اس طریقے سے ولادت کا دہ چمٹا ایک لالچی کے ہاتھ سے دوسرے بڑے لالچی کے ہاتھ منتقل ہوتا ہوا ایمسٹرڈم کے میڈیکل کالج تک پہنچ گیا، جب کالج نے اس سے کام لینا چاہا تو معلوم ہوا یہ آلہ جعلی ہے حقیقی آلہ درحقیقت چمبرلین کے خاندان میں ہے، اور یہ دھوکا ہے،

اس اثنا میں مغربی فلانڈرز کے رہنے والے جان بلون نامی ایک حجام نے بڑے غور وخوض اور تحقیقات کے بعد ایک ایسا چمٹا بنانے میں کامیابی حاصل کی جو چیمبرلین کے چمٹے سے مشابہ تھا، یہ اسے لے کر پا پیادہ پیرس گیا، اور ۱۷۲۲ء میں اپنی یہ ایجاد پیرس اکاڈمی کے حوالے کردی، لیکن کچھ صلہ نہ ملا، جیسا خالی ہاتھ گیا تھا ویسا ہی واپس آگیا، غور کیجیے چیمبرلین اور جان بلون میں کتنا عظیم الشان فرق ہے؟ ایک دولت کا مجنون، دوسرا اس سے بے نیاز، ولادت کی تکلیف پر قابو صحیح معنی میں صرف ۱۹ ویں صدی ہی میں حاصل ہوا، اور وہ بھی ادمبرگ کے ایک ڈاکٹر کی بدولت جس کا نام سمسن تھا،

ڈاکٹر سمسن!

یہ سمسن جب ایک نوعمر لڑکا تھا، ولادت کے وقت اپنی ماں کی درد بھری کراہیں سنتا رہتا تھا اور دیکھا کرتا تھا کہ اس کی فریادیں قبیلے اور گھر والوں کو کس طرح ہلا دیا کرتی تھیں، اس کے ذہن میں یہ بات جم گئی کہ جس وقت وہ ایسی چیخیں سنتا ہے دنیا کی تمام آوازیں ان کے مقابلہ میں دب کر رہ جاتی ہیں، ایک بار اس نے اپنے دل میں کہا، ——— "اس تکلیف کو ضرور زائل ہونا چاہیئے، اور اب لازم ہے کہ ولادت کے وقت کسی ماں کو تکلیف نہ ہو ———!" بس یہی ایک خیال اس کے دل و دماغ پر چھا گیا، اسی خیال سے متاثر ہو کر اس نے طب کی تعلیم حاصل کی، اس فن میں غیر معمولی مہارت حاصل کی، اور اوڈعبرگ ہاسپٹل میں شعبۂ ولادت کا

صدمہ ہوگیا، یہاں جب کوئی عورت دردِ زہ سے مضطر اور پریشان اس کے پاس آتی تو اس کی نظر کے سامنے اپنی ماں کی تصویر گھومنے لگتی، وہ ان کی دکھ بھری آوازوں میں خود اپنی ماں کی آواز سنتا، ان دردمند عورتوں کے چہرے کا اڑا ہوا رنگ ان کے بیقرار ہونٹوں کی پھڑکن اس کی نظر میں ایک ایسا ٹیکس تھا جو انسانیت کو ہر بچے کی ولادت پر ادا کرنا پڑتا ہے۔

مخدرات کی آزمائش!

سمسن نے اس مقصد کے لیے مخدرات کی آزمائش شروع کردی، یہاں تک کہ مسمریزم کے طریقے بھی استعمال کر ڈالے مگر ان میں سے کوئی بھی بے ضرر نظر نہ آیا، کوئی نہ کوئی خطرہ ہر ایک میں تھا، پھر ایتھر کا حال سنا تو اس کا تجربہ بھی کیا مگر اس کی تیز اور شدید بو حاملہ عورتوں کو اور زیادہ وحشت زدہ کردیتی تھی، اور ان میں دوران سر اور قے کی شکایت کا سبب بن جاتی تھی کلوروفارم کے اکتشاف کو ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی، پورے چودہ برس کی مدت بھی نہ گزری تھی جب فرانسیسی کیمیاگر، ڈیماس نے ۱۸۳۱ء میں اسے دریافت کیا تھا، بہرحال سمسن نے کلوروفارم کے تجربے کا عزم کیا، ۴ نومبر ۱۸۴۷ء کو اس نے دو معاون ڈاکٹروں کو جن کے نام ڈمکن اور کیتھ تھے، رات کے کھانے پر اپنے گھر مدعو کیا، اس دعوت میں اس کا ایک دوست بھی جو تجربہ کا ایک سارجنٹ تھا شریک تھا، دسترخواں پر گفتگو ہونے لگی گفتگو کے دوران میں اس نئی دوا کا ذکر چھڑ گیا، سمسن نے اس کے تجربے

کا ارادہ ظاہر کیا، اس موقع پر اس کے دوست کی بیوی اور پوتی مس پٹری نے اس تجربے میں شرکت کی رغبت ظاہر کی، اس طرح یہ گھریلو حلقہ کلوروفارمی ضیافت میں تبدیل ہوگیا،

عجیب سیّال!

اب ہمسن نے حاضرین میں سے ہر ایک کو ایک ایک نلکی دی، جس میں یہ تھوڑا سا عجیب سیّال بھرا ہوا تھا، ——— تجربہ شروع ہوگیا، ! ——— ایک، دو، تین، اس اشارہ کے ساتھ ہی لوگوں کے سر ان نلکیوں پر جھک گئے، اور سب کلوروفارم کا دھواں سونگھنے لگے،

اس دوا کا اثر سب سے پہلے مس پٹری پر ہوا وہ چلّانے لگی، ——— ” ارے میں تو اڑ رہی ہوں، میں فرشتہ بن گئی، ہاں ہاں میں فرشتہ ہوں، ——— ! “ ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ اس کا سر سینے پر جھک گیا اور وہ گہری نیند (بیہوشی) میں غرق ہوگئی،

عین اس وقت کیتھ اور ڈنکن پر ہنسی کا دورہ پڑا، پھر لیڈی ہمسن اور مسٹر ہمسن پر ہنسی کا غلبہ ہوا اور یہ لوگ گانے اور چلّانے لگے اور ہنسی کی شدّت کا تو یہ عالم تھا کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی، تنہا بحریہ کا سارجنٹ اپنے قابو میں رہا مگر اس کا بھی یہ حال تھا کہ ان لوگوں کو مدہوشی کے ساتھ دیکھتا اور کچھ نہ سمجھتا، اور جب اس نے ان لوگوں کی ہنسی کا سبب

دریافت کرنا چاہا، تو اس کے منہ سے بھی گگڑوں کوں گگڑوں کوں کی سی آواز نکلی، اس لیے وہ ان لوگوں کے ہیجان انبساط کو روکنے پر کب قدرت رکھ سکتا تھا؟

نرالی کیفیّت!

اس کے بعد ڈاکٹر سمسن اٹھا، اس نے اپنے سر اور دونوں ہاتھوں کے بل چلنے کی کوشش کی اور اپنے دونوں پاؤں ہوا میں چلانے شروع کر دیے، مگر دھڑام سے زمین پر گرا اور فوراً گہری نیند میں پڑ کر خراٹے لینے لگا، اس کے بعد جب ہوش میں آیا تو ایک عجیب تماشا نظر آیا، دائیں طرف ڈنکن کو دیکھا کہ اپنی کرسی پر بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے، اور بائیں طرف کیتھ کو دیکھا کہ پوری قوت کے ساتھ کھانے کی بھاری میز کو اپنے پیروں سے الٹنے کی کوشش کر رہا ہے ——— سارجنٹ اور اس کی پوتی زمین پر پڑے لگاتار خراٹے لے رہے ہیں،

آہستہ آہستہ حاضرین میں سے ہر ایک کو ہوش آگیا، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے خواب اور احساسات بیان کرنے لگا، جن سے بیہوشی کے دوران میں وہ دوچار ہوا تھا، ڈاکٹر سمسن نے صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کیا:

"اب تمھیں میرے دارالعلاج میں ایسی چیز مل جائے گی، جو ولادت کی روح فرسا اذیّت کو بڑی حد تک کم کر دے گی!"

کلوروفارم کا استعمال

سمسن نے کلوروفارم کے ذریعہ وردزہ کی تکالیف دور کرنے کے تجربات کیے، نتیجہ اس کی خواہش اور توقع کے عین مطابق نکلا، اس واقعہ کے چھ دن بعد وہ اس قابل ہو سکا کہ جراحوں کی انجمن میں ایک بیان پیش کرے، اور زبان حال سے عورت کو مخاطب کر کے یہ کہہ سکے،

"اے عورت، ——— آج کے بعد سے تجھے بچہ جنتے وقت کبھی تکلیف نہ ہوگی ———!"

اس زمانہ میں اومبرگ اپنی جدید العصر جراحی میں بہت شہرت پا رہا تھا اور زخموں کو جراثیم سے پاک کرنے کے لیے لسٹر کی ایجاد سے دنیا میں اپنی افادیت کی روح پھونک چکا تھا، اب اسی اومبرگ نے اپنی سابقہ عزت عظمت میں ایک نئی گیس کا اضافہ کر دیا، مگر وقت کے ارباب مذہب کو یہ بات پسند نہ آئی، اس لیے وہ یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے، انھوں نے اعلان کیا ——— "یہ ایجاد ایک شیطانی عمل ہے جس سے شہر کی شہرت کو نقصان پہنچے گا، اللہ نے تو ہماری ماں حوا سے کہا، "تیرے بچے تکلیف کے ساتھ پیدا ہوں گے" اس لیے تکلیف و اذیت جو اس سلسلہ میں ماؤں کو برداشت کرنا پڑتی ہے، وہ درحقیقت اللہ کی مشیت ہے، یہ ملحد کہاں سے آ ٹپکا کہ اللہ کے ارادے میں حائل ہونا چاہتا ہے؟ اس کی مشیت کو بدل دینا چاہتا ہے؟ ———؟"

مقامِ غیرت!

"ان لوگوں نے یہ بھی کہا ——————— "ہمارے شہر ادمبرگ کے لیئے شرم و غیرت کا مقام ہے، ابھی کل کی بات ہے، یعنی صرف دو سو برس پہلے کی کہ ایسے ہی ایک شخص نے اللہ کی نصیحتوں کے مقابلہ میں سرکشی کی تھی، اسے سزا قدرت کی طرف سے ملی، طبقہ شرفا میں سے ایک خاتون " ادخامی ماک الیان " نے شیطانی وسوسے سے متاثر ہوکر دایہ سے فرمائش کی، کہ دردِ زہ کم کرنے کے لیے کوئی دوا دے، جیک ششم کو، جو میری رسٹوارٹ کا لڑکا تھا، جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اس خاتون کو زندہ جلوادیا، تاکہ دردِ زہ سے بھاگنے والی عورتوں کو عبرت ہو، اور آج پھر اسی شہر میں یہ ولادت کا ڈاکٹر اللہ کی مشیت اور ارادہ کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، یہ بات نہیں سنی جا سکتی تھیں، نہ کی جا سکتی نہیں برداشت کی جا سکتی"! ———————!

مذہبی پیشوا اور پادری اپنے استبداد میں برابر مصروف رہے، انھوں نے حاملہ عورتوں کے پاس کہلا بھیجا کہ یہ شخص جو تمھیں دردِ زہ کی تکلیف سے نجات دلانا چاہتا ہے، اوّل درجہ کا کافر اور بے دین ہے، پادریوں نے انھیں دھمکی دی کہ تم نہ مانو گی تو تمھاری اولاد کو جائز نہ تسلیم کیا جائے گا، جن ڈاکٹروں اور طبیبوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی تھی، وہ بھی ان پادریوں کے ہمنوا ہو گئے، اور زور شور کے ساتھ کہنے لگے:

"کیا قدیم زمانہ سے آج تک مخدرات سے مدد لیے بغیر عورتوں کے بچے پیدا نہیں ہوئے؟ پھر ہم اللہ کے ارادے کو بدلنے کی کوشش کیوں کریں؟!"

نفسیاتی عمل!

ان لوگوں نے یہ دلیل بھی پیش کی کہ یہ تکلیف ایک نفسیاتی اور واہمی عمل ہے، ان کے ان دعاوی کی تصدیق بعض اور سنجیدہ لوگوں نے بھی کی، اور مخالفین کی صفوں میں شریک ہو کر کہنے لگے کہ: ——

"صرف درد ہی ایسی چیز ہے جو ماں کے دل میں محبت کو زندہ رکھنے کا ذمہ دار ہے، جو عورت بچہ جنتے وقت اذیت اور تکلیف سے دوچار نہیں ہوتی نہ اس کے دل میں بچہ کی محبت ہوتی ہے نہ قربانی کا جذبہ پایا جاتا ہے، پھر یہ بات بھی پیشے کے شایان شان نہیں کہ وہ مادریت کے تقدس کو نشے کے سرور سے تبدیل کر دے، جو بچہ اس فاسد فضا میں آنکھ کھولے گا، اس کا دنیا میں فضیلت اور برتری حاصل کرنا قطعاً محال ہے ——!"

طعنے اور الزامات

اس طرح شفاخانۂ اوبرگ کے شعبۂ ولادت کا مشہور اور نوجوان

طبیب ایک قیامت خیز ہنگامہ اختلاف سے دوچار ہوگیا، پادری اس پر بے دینی کی تہمت لگانے لگے، ڈاکٹر شعبدہ بازی کا طعنہ دینے لگے، مشاہیر اور امرا نے غریب کو تمسخر کا ہدف بنالیا، اس طرح بیچارہ سمسن اپنے آپ کو نکما، تنہا اور بے یار و مددگار محسوس کرنے لگا۔ ——————

وہ دیانت دار تھا لوگوں نے اس پر کفر کا بہتان لگایا، شریف تھا اس پر کیچڑ اچھالی۔ ادیب تھا، اس کے علم و فضل کو تسلیم نہیں کیا گیا، لیکن ایک نانبائی کا وہ بیٹا جسے دنیا نے سمسن کے نام سے جانا اور یاد رکھا جو اپنی ذاتی محنت سے صرف ۲۳ سال کی عمر میں شفاخانے کے شعبۂ ولادت کا صدر بن گیا، کم ہمت اور دون فطرت نہ تھا وہ ان لوگوں میں نہ تھا جو کمزور ارادے کے مالک ہوتے ہیں، جو دشواریوں کو حائل دیکھ کر پیچھے کی طرف واپس جاتے ہیں، جو بہت جلد مایوس اور ناامید ہوجاتے ہیں، وہ ہمت نہ ہارا، اپنی جگہ چٹان کی طرح جما رہا، وہ ایمان و یقین کا مضبوط، اور عقیدے کا پکا تھا، اور یقین رکھتا تھا وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ عین مشیت خداوندی ہے، لہذا اس نے ان مخالفتوں کی شمہ برابر پروا نہ کی، پوری مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہا، وہ جو کچھ کر رہا تھا، نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ کر رہا تھا، ذاتی منفعت کا حصول اس کے پیش نظر نہ تھا، اس کے پیش نظر صرف ایک بات تھی یہ کہ کسی طرح بھی وہ خدا کی سب سے زیادہ حساس، نازک اور کمزور نوع کو اس تکلیف سے بچالے، جو اس کی جان پر بنا دیتی ہے،

جس نے اس کی زندگی اجیرن کردی ہے، جس میں عظمہ تو بہت ہے
لیکن فائدہ کچھ نہیں، یہ سوچ کر وہ استقلال سے میدان عمل میں ڈٹا رہا
اور اپنے کام میں کامل یکسوئی اور انہماک کے ساتھ مصروف رہا!

باب ۲۰

ولادت بلا درد!

سمسن اپنے دل میں سوچا کرتا تھا کہ رحیم و کریم خالق عالم اپنی مخلوق کے لیے عذاب، اذیت اور تکلیف نہیں چاہ سکتا، یہ اس کی محبوبیت اور شفقت کے خلاف ہے، ——— خدا کا یہ ارادہ ہو نہیں سکتا کہ لاکھوں مائیں اپنے پیٹ میں ایک نئی زندگی کی حامل ہونے کی بدولت تکلیف میں مبتلا ہوں، یہ نئی زندگی وسیلۂ عذاب ہرگز نہیں ہو سکتی اور نہ خدا کی مشیت انسان کے لیے ابدی درد و اذیت کی طالب ہو سکتی ہے، خدا نے اپنے بندوں پر علم کے انوار صرف اسی لیے برسائے ہیں کہ نجات کا خداوندی عمل مکمل ہو،

یقین کامل!

اس بات کا سمسن کو پورا یقین تھا کہ اس کے دل میں اس کی ماں کی صورت اللہ ہی نے منقش کر دی ہے، ——— کیوں؟ یہ نہیں معلوم، لیکن اس کی مصلحت کچھ نہ کچھ ضرور ہو گی،

کیا وہ خدا ہی تھا، جس نے ماں کی دردناک چیخیں اس کے کانوں میں اس طرح بھر دیں کہ ان کی آواز ہر وقت سنائی دیتی ہے، یہ تصور دل سے

کبھی جدا نہیں ہوتا، اسی طرح اللہ ہی نے سینکڑوں عورتوں کے درد زہ کی حالت سے ممسن کے دل کو متاثر کیا، اور اس کے دل میں یہ جذبہ بھر دیا کہ وہ جس طرح بھی ہو اپنے ذہن و دماغ کی مدد سے اس اذیت کا ازالہ کرے،

عزم کی پختگی!

اب اگرچہ وہ اپنے ہم قوموں اور رفیقوں میں تنہا رہ گیا تھا پھر بھی وہ مایوس اور دل شکستہ نہیں ہوا، لوگوں کے ظلم و استبداد نے اس کے عقیدہ اور عزم میں کہیں زیادہ پختگی پیدا کر دی، ہمت بڑھائی، اور سعی و عمل کا نہ کمزور پڑنے والا جذبہ پیدا کر دیا، اس نے تورات اور کتاب مقدس (انجیل) کا احترام کرنے والی فضا میں تربیت پائی تھی، اور یہی چیز ایمان و عرفان سے متعلق ہر بات میں اس کا واحد مرجع تھی، اس نے اس بات کو صحیح نہ جانا کہ جو مقدس آگ اس کے دل اور ضمیر میں بھڑک رہی ہے وہ کبھی اللہ کے ارادے سے متصادم بھی ہو سکتی ہے بلکہ اس کے برخلاف اسے یقین واثق تھا کہ اوبرگ کے مذہبی رہنما انجیل مقدس کی تعبیر و تفسیر میں گمراہی کا شکار ہیں، اس نے بڑی مستعدی سے مذہبی کتابوں کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ شروع کر دیا، وہ رات گئے بھر جاگتا، ہمیشہ کے تھکا دینے والے کاموں سے فراغت کے بعد جو تھوڑا بہت وقت ملتا اسے رائگاں نہ جانے دیتا، یہ وقت صرف

ہوتا، مطالعہ میں علما کے اقوال، ان کی تفاسیر اور افہام و تفہیم میں جیسے جیسے اس کا مطالعہ بڑھتا گیا، وہ مذہب کی اصل روح سے واقف ہوتا گیا، اور جیسے جیسے مذہب کی اصل روح اس پر منکشف ہوتی گئی اس کا یہ عقیدہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا کہ اللہ کی ذات سے یہ کہیں بعید ہے کہ وہ ماؤں کو تکلیف اور اذیت کے چنگل میں چھوڑ دے، اسے یقین تھا کہ اس تکلیف کے مقابلہ میں اس کی جدوجہد من جانب اللہ ہے یہ خدا کی طرف سے وحی و القا کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی،

طولانی راتیں!

سمسن نے اپنی بیداری کی طولانی راتوں میں جو کچھ پڑھا اور سمجھا اس کا ماحصل وہی تھا جو اوپر بیان ہو چکا ہے، مطالعہ اور تحقیق سے فارغ ہو کر وہ گوشۂ تنہائی سے باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں دشمنوں کے بہتانوں کا خاتمہ کرنے والا ہتھیار موجود تھا، اب وہ دینی اور دنیوی دشمنوں ہم پیشہ حریفوں اور ناسمجھ بنی الناس کا مردانہ وار مقابلہ کر سکتا تھا، جب کوئی پادری ممبر پر چڑھ کر خدا کا یہ قول بیان کرتا کہ ——————

"تیرے بچے درد و اذیت کے ساتھ ہوا کریں گے! ——————!"

تو سمسن توراۃ ہی کے ایک دوسرے مقام کی طرف اشارہ کرتا، اور کہتا، خدا نے یہ بھی کہا ہے:

"دیکھو کامل قدرت والا باپ سب سے پہلا جراح تھا،"

جس نے بغیر تکلیف کے عمل جراحی انجام دیا ' ——— پھر اللہ نے آدم پر گہری نیند طاری کر دی ، اور وہ سو گیا ، پھر اس کی ایک پسلی نکال لی اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا ' ——— ! "

تو کیا ہم اللہ کو خطا کار شمار کریں ، اس کے اس عمل کو بھلائی کے سوا کسی اور طرف منسوب کیا جا سکتا ہے ؟

حوّا اور آدم !

لیکن مذہب کے ٹھیکے دار اعتراف شکست پر آمادہ نہ تھے وہ سمسن کو جواب دیتے ——— " حوّا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا پہلی معصیت سے پہلے ہو چکا تھا ، لہٰذا عورت کے لیے لازم ہے کہ بچہ جنتے وقت تکلیف اٹھائے ، ——— ! "

سمسن اس کے جواب میں کہتا :

" آپ تکلیف کے معنی نہیں سمجھتے ، لہٰذا مفہوم میں خرابی پیدا کر دیتے ہیں ، در اصل اللہ وہ نہیں چاہتا جو آپ چاہتے ہیں ، توریت میں وارد ہوا ہے کہ " تو پیشانی کے پسینے کے ساتھ اپنی روٹی پیدا کرے گا ' اور زندگی بھر اسے تکلیف کے ساتھ کھائے گا " اس جگہ تکلیف سے یہی مراد ہے ! تکلیف سے مراد مادّی تکلیف نہیں ہے ، بلکہ تکان اور جہد و عمل مقصود ہے ، اس لیے اللہ نے جو تکلیف حوّا کے لیے چاہی

اس سے مراد جسمانی درد نہیں بلکہ مشقت اور تکان ہے، جس سے عورت کو دوچار ہونا پڑتا ہے"

اس وقت پادریوں کا ذہن جواب کے لیے حاضر نہ تھا سمسن نے ان کے سکوت سے فائدہ اٹھایا، اس نے پھر ایک وار کیا، اس نے پادریوں کو مخاطب کر کے کہا،

"کیا تورات میں یہ درج نہیں ہوا ہے کہ" تو مٹی ہے، اور مٹی کی طرف لوٹے گا!" پھر اگر اطبا کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ انسانی زندگی کو بڑھانے کی کوشش کر کے اس آیت کی خلاف ورزی کریں، تو کیا یہ جائز نہیں کہ ولادت کی تکلیف کم کرنے کی کوشش کی جائے؟"

مناظرہ اور مقابلہ!

اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ جب پادری کوئی آیت اپنی مفید مطلب پیش کرتے، سمسن جھٹ سے، دوسری آیت ایسی پیش کر دیتا جو اس کے نقطۂ نظر کی ترجمان ہوتی، اس وقت سمسن نے ان ماؤں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، جو پس و پیش اور تردد میں مبتلا تھیں:

" آپ ذرا بھی خائف نہ ہوں، یہ طولانی طریقہ جو آپ پر اولاد کا تغذیہ اور ان کی تربیت واجب کرتا ہے اس کے ہوتے ہوئے اگر ولادت کی ساری تکالیف بھی دور ہو جائیں

تب بھی آپ کے لیے بکثرت تکلیفات باقی رہ جاتی ہیں،

"!

ڈاکٹروں سے خطاب!

اس کے بعد وہ اپنے ہم پیشہ ڈاکٹروں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا،
میرے نزدیک طبیب کا کام تکلیف کا کم کرنا اور زندگی کا
بڑھانا ہے، بسا اوقات ولادت کی تکلیف ماؤں کی موت کا
سبب بن گئی ہے کیونکہ اطبا اس بات سے واقف یا اس پر
قادر نہ تھے کہ تخدیر کے ذریعہ تکلیف دور کر سکیں، کیا اس سے
پہلے جب چیچک کا ٹیکہ ایجاد ہوا تو کلیسا کی طرف سے مخالفت
میں آواز بلند نہیں ہوئی تھی؟ اس کے باوجود زمانہ نے ٹیکہ
کی فضیلت ثابت کر دی، کیونکہ اس نے پچاس برس کی
مدت میں صرف برطانیہ عظمیٰ کے اندر ہزاروں آدمیوں کو
موت کے پنجے سے چھڑا لیا!!"

سمسن پادریوں ڈاکٹروں اور لیڈروں کے خلاف جس معرکے میں
گھس پڑا تھا اور جس کو جیتنے کے لیے وہ علم، بلاغت اور ایمان جیسے
خداداد ہتھیار کام میں لا رہا تھا، کوئی شبہ نہیں یہ بڑا سخت معرکہ تھا
اس جنگ کا سلسلہ چھ سال تک جاری رہا، اس مدت میں یہ شعلے
کبھی بجھ جاتے کبھی بھڑکنے لگتے، یہ لڑائی دو فریقوں کے درمیان تھی

ایک بلا دردِ ولادت کو جائز اور مستحسن رکھتا تھا، دوسرا اسے حرام اور باطل قرار دیتا تھا، ملکہ وکٹوریہ کا عہد آنے تک یہ لڑائی جاری رہی، اس کا فیصلہ اس وقت ہوا، جب ملکہ وکٹوریہ نے دردِ زہ کی تکلیف سے بچنے کے لیے، یہ طریق علاج اختیار کیا،

پرانا واقعہ!

اس تاریخ سے تین صدی پہلے کا واقعہ ہے جب لیڈی اوڈانیا نے دردِ ولادت کی تخفیف کے لیے اپنی دایہ سے دوا مانگی تھی، اور ظالم بادشاہ نے جرم عظیم کی سزا یہ دی تھی کہ اسے زندہ جلوا دیا تھا، اور آج انگلستان کے تخت پر ایک عورت متمکن تھی، جب ولادت کا وقت آیا، اور ملکہ وکٹوریہ نے لیڈی اوڈانیا کی طرح درد محسوس کیا تو اس کے طبیب خاص نے سمسن کے علاج کا سہارا لینے کی رائے دی، یہ رائے ملکہ نے بے تامل تسلیم کر لی، اور بچہ بغیر کسی تکلیف کے تولد ہو گیا، جو بعد میں پرنس لیوپولڈ کہلایا،

احسان کا اعتراف!

ملکہ نے ڈاکٹر سمسن کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے اسے امرا کے مرتبہ پر فائز کیا، یہ پہلا شخص اپنے طبقہ میں تھا جو اس منصب پر فائز ہوا اس واقعہ نے سمسن کے دشمنوں اور مخالفوں کو مہر بلب کر دیا

عورتوں نے عام طور پہ ملکہ کی پیروی اختیار کر لی۔ اس کے بعد جب ولادت کا موقع آتا، وہ بغیر کلوروفارم استعمال کیے نہ رہتیں، یہاں تک کہ کلوروفارم کا نام ہی ملکہ کا کلوروفارم پڑ گیا، پادریوں نے بھی ایخیل کی تفسیر وہی مان لی جو سمسن نے کی تھی، اور تسلیم کر لیا کہ تکلیف سے مراد تکان ہے، نہ کہ جسمانی درد۔ جو لوگ آداب کے خلاف بناوٹی غیرت، ظاہر کیا کرتے تھے ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں، ڈاکٹر بھی اپنی اس رائے میں ترمیم پہ تیار ہو گئے کہ تکلیف عورت کے لیے ضروری ہے، اور اپنے مریضوں کی تعداد میں خسارہ آنے سے پہلے کلوروفارم کی کثیر مقدار جلد جلد مہیا کرنے لگے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وقت پر وہ نہ ملے اور عورت درد زہ سے چیختی چلاتی رہ جائے وہ اب ولادت بلا درد کے قائل ہو گئے تھے،

خوش نصیب!

سمسن، ولس، لانگ اور مورٹن سے زیادہ خوش نصیب تھا، اس نے بھی انہی لوگوں کی طرح جد و جہد کی، مگر اسے صلہ اپنے پیش روؤں سے بہتر ملا، اس کی عمر ابھی صرف ۴۴ سال کی تھی کہ اوبرگ میں رائل میڈیکل سوسائٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا، اور ملکہ وکٹوریہ کا طبیب خاص کہلایا، بادشاہوں اور انجمنوں نے اس پر القاب و خطابات اور انعامات کی بارش کر دی، اعزازات کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ جس دن سمسن پیرس کی میڈیکل اکاڈمی کا اعزازی رکن منتخب ہوا، اکاڈمی کے ارکان نے سر و قد کھڑے ہو کر اس کی تعظیم کی،

اور اس کے نام پر دیر تک چیرز دیتے رہے،

سمسن کی کمزوری!

لیکن ظاہر ہے ثروت و عزت ایسی چیزیں ہیں کہ آدمی ان سے سیر نہیں ہوتا، خواہ کتنی ہی عزت و ثروت ملے، زیادہ ہی کی طلب رہتی ہے جو منحوس نزاع سمندر کے اس پار اٹھ کھڑی ہوئی تھی، مورٹن اور لانگ کی جانیں جس کی بھینٹ چڑھ گئی تھیں اسی نزاع میں سمسن بھی اپنے مقام عالی کے باوجود مبتلا ہو گیا، سمسن ان لوگوں کی صف اول میں تھا، جنھوں نے جاکسن کے مقابلہ میں مورٹن کا ساتھ دیا تھا، مگر کلوروفارم کے استعمال نے ایتھر کو وقتی طور پر اس کے پہلے مقام سے ہٹا دیا تھا، اور جب سمسن کامرانی کے نشہ میں خوب چور ہو گیا تو نفس امارہ نے اس کے دل میں اپنے حق سے زیادہ مطالبہ کا وسوسہ پیدا کیا، اس نے یہ بات مشہور کرنا شروع کر دی کہ ایتھر کے ذریعہ تخدیر کلوروفارم کے کمال تک پہنچنے کا صرف ایک زینہ ہے اور جب اس سے انسائکلوپیڈیا آف برٹانیکا کی تدوین کے موقع پر یہ فرمائش کی گئی کہ تخدیر کے لیے ایک مخصوص باب لکھ دیجئے تو اس نے یہ فضیلت تمام تر اپنے ہی لیے محدود و مخصوص کر دی، اس بات سے جاننے والے لوگ بھڑک اٹھے خصوصاً بوسٹن کا ڈاکٹر بوجلو بہت برہم ہوا۔ جو سب سے پہلے بلادرد عمل جراحی میں خود موجود تھا، جیسے ڈاکٹر وارن نے ماساسوشٹ کے

ہسپتال میں انجام دیا تھا، اس نے سخت و ہجہ پر مشتمل ایک خط بھیجا جس میں پر غصب کر لینے کا الزام لگایا، اس طرح ایک بار پھر ایتھر کے لیے قلمی جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا، یہ جنگ بھی اسی وقت رکی جب موت ثالث بن کر بیچ میں آ کودی

آخری ایامِ حیات

واقعہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر سمسن اپنے آخری ایامِ حیات میں ذبحہ صدریہ کے مرض میں مبتلا ہوا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہ شخص بڑا متقی اور پرہیزگار تھا، مذہبی مراسم کی بجا آوری میں ذرا کوتاہی نہ کرتا تھا، جب اس نے موت کو آتا ہوا محسوس کر لیا اور ہر قسم کی دوائیں، ایتھر اور کلوروفارم وغیرہ سب بیکار ثابت ہوئے تو اس نے ضمیر کی آواز پر کان لگائے، اپنی غلطی پر نادم ہوا، اس نے کاغذ اور قلم اٹھایا اور اپنے حریفوں کو خط لکھ کر کھلے الفاظ میں معذرت کر لی، اس سلسلہ میں بوجلو کو جو خط لکھا، اس میں اپنے کیے پر معافی مانگتے ہوئے موت کو گواہ کر کے بڑے خضوع و خشوع سے اعلان کیا کہ وہ ایتھر پر کلوروفارم کے افضل ہونے کا کبھی معتقد نہ تھا، اس لیے اعتراف کرتا ہے کہ اس معاملہ میں اولیں فضیلت مورٹن کو حاصل ہے، کیونکہ اس نے تخدیر اور جراحیات کی تاریخ میں ایک نئے دور کا اضافہ کیا تھا، اس کے ۱۸۶۱ء میں جب کہ مورٹن کو مرے ہوئے دو سال گزر چکے تھے،

سمسن نے وفات پائی !

سرگزشت حیات!

یہ ہے سمسن کی سرگزشت حیات جسے مقدر نے اس عارضی خصومت کے سوا کبھی مکدر نہ کیا ، ویسٹ منسٹر ایبے میں سینٹ انڈریوز کے گرجا میں اس کا مجسمہ رکھا گیا ، جس کے نیچے یہ عبارت درج ہے :

" وہ بلند پایہ شخصیت جس نے درد
مندوں کی تسکین کے لیے دنیا کو کلورو
فارم کی خوبیوں سے مستفید کیا ! "

باب ۲۱

مادّے سے رُوح کی طرف!

جس زمانہ میں ایتھر اور کلوروفارم نے جدید جراحیات کے فن میں اہم ترین حیثیت حاصل کر رکھی تھی، امریکہ میں گشتی مقرّرین بدستور اپنے سفری مظاہروں کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کا دورہ کرتے، اور ہنسانے والی گیس کے افعال و اثرات دکھا کر عوام کی تفریح و تسلّی کا سامان بہم پہنچاتے رہتے تھے، اس میں شک نہیں کہ ولسن نے پورے غور و خوض سے معلومات حاصل کیے بغیر عوام کے جلسے میں اس گیس کا جو مظاہرہ کیا اور اس میں جس طرح ناکامی نصیب ہوئی اس کی وجہ سے کسی اور کو اس کی جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ اس گیس کو دانتوں کے معالجہ اور بدن کے زخموں وغیرہ کیلئے استعمال کر سکے، یہی وجہ تھی کہ اس کا استعمال ایک تنگ دائرہ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا،

گشتی مُقرّرین!

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اندر گشتی مقرّرین میں سب سے زیادہ شہرت کو لٹن کو حاصل ہوئی، یہی وہ شخص ہے جس نے ہرٹفورڈ میں اپنی پہلی تقریر کے ذریعہ غریب ولسن کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ وہ عوام

کے سامنے اس منحوس تجربہ کا مظاہرہ کرے، پھر جب اس نے اپنی ذات پر اس تجربے کا ارادہ کیا تو اسی نے اسے گیس سنگھائی، اور اپنے ایک رفیق سے فرمائش کی اس کی داڑھ اکھاڑ دے، جو بغیر کسی تکلیف کے اکھیڑ آئی،

کولٹن کو یہ کامیاب عمل جراحی یاد تھا اس لیے ہنسانے والی گیس کی اہمیت سے متعلق اس کا اعتقاد غیر متزلزل تھا، وہ ایتھر اور کلورو فارم کی کامیابی پر تاسف کی نگاہ ڈالتا تھا اور تمنا کرتا تھا کاش تقدیر سے ہنسانے والی گیس کو بھی کوئی ایسا شخص مل جائے جو پوری سنجیدگی اور محنت کے ساتھ اس کا تحقیقی کام کرے، اور اس طرح ڈاکٹر ایک بیش قیمت علاج سے واقف ہو سکیں، وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح لوگ اس طرف مائل ہو جائیں، اسی لیے وہ ہر جگہ پہنچتا تھا، لوگوں کو جمع کرتا تھا، جلسے کرتا تھا، تقریریں کرتا تھا، لوگوں کے سامنے اس عجوبہ چیز کے مظاہرے کرتا تھا، ہر جلسہ کے آخر میں اس کا ٹیپ، کا بند یہ اعلان ہوتا تھا کہ ہر لفورڈ میں دانتوں کا ایک ڈاکٹر ہنسانے والی گیس کے ذریعہ بغیر کسی تکلیف اور اذیت کے دانت نکالنے میں کامیاب ہو گیا ہے وہ سترہ سال کی مدت تک یہی راگ سناتا رہا، یہاں تک تقدیر اسے دوبارہ ویلس کے وطن میں کھینچ لائی، یہاں آکر اس نے بڑے ولولہ انگیز طریقے پر لوگوں کو ابھارا کہ وہ اس اکتشاف کی کامیابی میں حصہ لیں، کیونکہ اس اکتشاف کا سہرا انہی کے ایک وہم کے سر ہے،

اسمتھ کا تاثر!

اس موقع پر اس کی تقریر سننے والوں میں اسمتھ بھی تھا، اس میں یہ تقریر سن کر حب وطن کا جذبہ بیدار ہوگیا، اس نے کولٹن سے اتفاق رائے کرکے یہ عہد کرلیا کہ اس سلسلہ میں ہر قسم کا تعاون کرکے اپنے دیس کو اس کا کھویا ہوا علمی مقام پھر واپس دلائے گا، اس پر بیس دن بھی نہ گزرے تھے کہ بغیر تکلیف کے اکھاڑے ہوئے دانتوں کی تعداد چار ہزار کے قریب پہنچ گئی، سال کے آخر میں اس کمپنی کی ایک عمارت نیویارک میں بن گئی، جس کے صدر دروازے پر یہ الفاظ کندہ تھے:

"سترہ ہزار چھ سو اڑھیں بغیر تکلیف کے اکھاڑی جاچکی ہیں"!

اب امریکہ میں ہنسانے والی گیس کا استعمال بڑی تیزی سے ہونے لگا، عجیب اتفاق کی بات ہے، ہنسانے والی گیس سے پہلا عمل جراحی اس سال کیا گیا، جس سال مورٹن نے وفات پائی، یعنی ۱۸۶۸ء میں، اور گیس سے زچگی کے سلسلہ میں پہلا آپریشن اس سال کیا گیا جس سال سمسن کا انتقال ہوا، ان دونوں عظیم المرتبت آدمیوں کی زندگی گویا جراحیات اور ولادت کے اعمال میں گیس کی رقابت سے پناہ کا وسیلہ بن گئی تھی، جب تک یہ دونوں زندہ رہے اس گیس پر کوئی معرکہ آرائی نہ ہوئی، اسی طرح جس بات کے لیے ڈیوی اور ہنری ہیکمان نے اپنی زندگی

کے بہترین اوقات و ایام صرف کر دیے تھے، وہ دوبارہ بڑی آب و تاب کے ساتھ ظہور میں آگئی، اور اس کامرانی و کامیابی کا سہرا اسی گشتی مقرر، کولٹن کے سر تھا،

بنیادی سبب!

جس طرح ان دونوں مخدر اشیا کے اکتشاف میں سب سے بڑا اور بنیادی سبب محض اتفاق تھا، اس طرح ایک دوسری مخدر چیز ایتھیلین کی ایجاد و انکشاف میں بھی سب سے بڑا دخل صرف اتفاق ہی کو تھا،

۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے شکاگو کا ایک باغبان مونگوں کے پودوں کی دیکھ بھال پر خاص طور پر متوجہ تھا ایک دن اسے خیال آیا کہ لونگ کے پھول بغیر کسی ظاہری سبب کے مرجھا گئے ہیں، اس بات کو کئی دن گزر گئے، اور کوئی باعث سمجھ میں نہ آیا، اسی اثنا میں باغ کے اندر گشت کرتے کرتے اسے ایک عجیب قسم کی بو محسوس ہوئی، یہ بو اس سے پہلے اس نے کبھی محسوس نہ کی تھی، تلاش کے بعد گیس کے ایک لیمپ میں اسے ایک دراز نظر آئی، جس سے یہ ہوا اٹھ رہی تھی، اب اسے خیال آیا کہ اس بو اور پھولوں کی پژمردگی کے درمیان کوئی تعلق ضرور پایا جاتا ہے، آزمانے کے لیے اس نے لونگ کا ایک پھول اس دراز کے قریب کر دیا، جو فوراً مرجھا گیا، پھر اسے ہوا میں رکھا، تو تروتازہ ہو گیا، کھل اٹھا، پھر اسے دانہ

کے پاس لے گیا، اور تھوڑی دیر تک وہاں رہنے دیا، پھر مرجھا گیا، اور ایسے مرجھایا کہ پھر ہوا میں رکھنے کے باوجود تر و تازہ نہ ہوا، جب اس نے لیمپ کی ورماز بند کر دی اس کے سارے پھولوں میں جان آگئی، ان کی کھوئی ہوئی رونق پھر بحال ہوگئی، علما نے اکتشاف پر توجہ کی، انھوں نے حیوانوں اور انسانوں پر اس کے تجربے اور تحقیق کا سلسلہ شروع کر دیا یہاں تک کہ اس سے ایتھیلین کے استخراج کی کوشش کی، غور سے پرکھا اور دیکھا تو معلوم ہوا تخدیر کا کام کرنے میں یہ شے بھی ایتھر سے کچھ کم نہیں، چند ہی سال گزرے ہوں گے کہ ڈاکٹر لوکہارا اور کاتر نے اس کے ذریعہ پچاس ہزار آپریشن کر ڈالے، اور بڑے کامیاب رہے،

دائرہ تحقیق!

پھر کیمیا میں تحقیق و تجسس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہوتا گیا، اور علما، اطبا اور ماہرین فعلیات، طبیعت کے اسرار معلوم کرنے میں زور شور سے منہمک ہو گئے، یہ تحقیق و تفتیش رائگاں نہ گئی، وہ استھلین، کلوروئیل اور برومینل جیسی گیسیں دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے، انھیں سنگھانے کے خاص خاص آلات ایجاد کیے، پھر اس کے فعل میں اضافہ کے لیے معا مستقیم کے اندر بلا ڈونا، پھر ایتھر اور زیتون کے مرکب کی پچکاری دینے کا طریقہ ایجاد کیا، لیکن یہ ملا جلا طریقہ اور ٹن کے اکتشاف کے بعد ہی فروغ پا سکا، یہ ایک ایسا مادہ ہے جو کئی نسبتوں کے ساتھ الکحل سے

تعلق رکھتا ہے اس میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تمام مخدّر ادویہ کے برخلاف بغیر نشہ کے نیند لاتا ہے، مریض بستر پر دراز رہتا ہے، جہاں اس کی ایک پچکاری لگی، اور وہ غافل ہوکر سویا، پھر اسے آپریشن روم میں لے جاتے ہیں جہاں اسے ایتھر یا کلوروفارم دیا جاتا ہے، بیدار ہونے سے پہلے اس کے پلنگ پر اسے پہنچا دیا جاتا ہے، اس طرح اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، اور وہ اضطراب اور بے چینی جو آپریشن سے پہلے ہوتی ہے، اس سے بالکل بچ جاتا ہے، نہ انتظار کی الجھن نہ آلات جراحی کا خوفناک نظارہ،

مخدّرات کے اثرات

لیکن یہ تمام مخدّرات خواہ پھیپھڑے کے ذریعہ عمل کریں یا آنتوں کے ذریعہ بہرحال ان کے مرکز اعصاب تک پہنچنے اور ان پر اثر انداز ہونے کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے، اس لیے ان کے اثرات میں تیزی پیدا کرنے کا مسئلہ افکار کو اپنی طرف متوجہ کیے رہا، یہاں تک کہ اومبرگ کے ایک طبیب نے ایک جوف دار سوئی ایجاد کی، پھر برقاز فرانسیسی نے اپنا مشہور انجکشن تیار کیا جس سے اس نقصان کا انسداد ہوگیا، اور وہی مارفیا (افیم) جس کا اکتشاف اسٹورنر نے کیا تھا، اور جس کے باعث غریب نے اتنے ظلم سہے تھے، درد اور اذیت کے خلاف سب سے زیادہ تیز اور کارگر ہتھیار بن گیا،

انیسویں صدی کا زمانہ طبیعت پر علم کے فتح پانے کا زمانہ تھا، اس صدی
میں کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جب کسی نہ کسی چیز کا انکشاف نہ ہوتا ہو، درد کا
علاج مادّے سے ہونے کے بعد علما نے اس کا علاج قوت یعنی برقی قوت سے
دریافت کیا، پھر روحانی علاج کا طریقہ ایجاد کیا جو درحقیقت ایک قسم کا عقلی
علاج ہے،

برقی طریقہ:

سب سے پہلے جس شخص نے تخدیر کے لیے برقی طریقہ استعمال کیا وہ
اسٹیفن لڈوک ہے، مگر علما کی نظر میں اسے کوئی خاطر خواہ مقام نہ حاصل
ہوا، رہا روحانی یا عقلی معالجہ تو امریکہ میں اس کی تائید حمایت کے لیے ایک
بڑا گروہ اٹھ کھڑا ہوا، یہ ایک نئے مسلک کا داعی بن گیا جس کا نام "مسیحی
علم" ہے، اس مذہب کی بنیاد ایمان پر ہے، اب کیفیت یہ تھی کہ ایک
طرف ڈاکٹر عصبی دردوں کی تکلیف کے لیے برادرز کا انجکشن دیے ہوئے تھے
اور جراح ایتھر جیسی چیزوں پر تکیہ کیے ہوئے تھے، جس سے زخم تکلیف
زچگی کی اذیت اور ہر قسم کی تکلیف کو زائل کرتے تھے، دوسرے "مسیحی علم"
کا مدرسہ لوگوں کو یہ تعلیم دے رہا تھا کہ اللہ نے جو دنیا بنائی ہے، اس میں
تکلیف کا وجود ہی نہیں ہے، اس مذہب کے عقیدہ میں درد یا تکلیف
محض ایک وہم ہے جس پر ارادے کے ذریعہ غلبہ پانا ممکن ہے۔ انسان کے
لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ درد سے خلاصی پانے کے لیے اس کا یقین ہی نہ کرے

کسی بات کا خیال کرنا اور ذکر کرنا کتاب مقدس کے مطابق جڑی بوٹی ادوا، زہر اور گیس سے زیادہ اثر کرتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس عقلی تحدید کی مدد سے اکثر زنانوں کے بچہ بغیر کسی قسم کی تکلیف کے ہوا اور اس طریقے پر عمل کرنے کی بدولت کتنے ہی عمل جراحی ایسے انجام پائے جن میں نوک نشتر کی ذرا سی بھی تکلیف تو محسوس نہیں ہوتی،

ایمان و اعتقاد

امریکہ میں سب سے پہلے ایمان و اعتقاد کے ذریعہ شفا کا پرچم جس نے بلند کیا وہ بوسٹن کی لیڈی میری بکزاڈی ہے، اسی طریقے کو فرانس میں ڈاکٹر کوے نے پھیلایا، اور اس کا نام "تحیر" رکھا، اس طریقہ میں مقام درد پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے اور درد رفع ہو جانے کا خیال کرنے اور ساتھ ہی باتوں میں لگے رہنے سے درد کو اور احساس درد کو بالکل دور کر دیا جاتا ہے، اس علم نے شعبدہ بازوں اور مکاروں کے لیے ایک وسیع راستہ ہموار کر دیا، اور وہ ہر مقام اور ہر جگہ اس روحانی طب سے کام لینے لگے،

اسی اثنا میں مسمریزم نے تنویم مقناطیسی کے نام سے دوبارہ ظہور کیا، اور اس نے پھر سے ایک نئی زندگی حاصل کر لی، ڈاکٹر پریڈ[1] نے اس کے سحریہ لباس اتار دیا تھا۔ اس نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ تنویم کوئی خارق عادت قوت نہیں ہے، یہ طاقت ہر انسان کے اندر مخفی ہے، ہر

(۱) Praid

انسان اس سے حسب دل خواہ کام لے سکتا ہے،

وہی پُرانا سلوک!

لیکن پریڈ کے ہم پیشہ اور ہم وطن اشخاص نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا، جیسا اس سے پہلے سمسن وغیرہ کے ساتھ کیا جا چکا تھا، یہ لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، ایک مدت تک اس سے برسرپیکار رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا عمل کامل چالیس سال تک گلدستۂ طاق نسیان بنا رہا، پھر ڈاکٹر لیبالٹ[1] نے اسے پھر ابھارا، اور کسانوں اور مفلسوں میں سے جو بکثرت مریض اس کے پاس جمع رہتے تھے، ان کے معالجہ میں اس نے اس طریق کو برتا، اور بہت کارگر اور مفید پایا،

جیسا کہ ہوتا آیا ہے اس ڈاکٹر کو اپنے طریقے کی اشاعت میں تیزی کے ساتھ کامیابی نہیں ہوئی، تیس سال کے بعد تقدیر نے اس کے پاس ایک ایسا مریض بھیجا، جسے اچھا کرنے سے پیرس کے تمام اطبا عاجز آ چکے تھے ان ناکام ڈاکٹروں میں پروفیسر برنہیم جیسا محقق دوراں بھی تھا، لیکن یہ مایوس العلاج مریض ڈاکٹر لیبالٹ کے علاج سے بالکل تندرست اور توانا ہو گیا، پروفیسر مذکور کو جب مریض کے تندرست ہونے کی خبر ملی، تو اسے بڑی حیرت ہوئی، اور وہ خاص طور پر ڈاکٹر لیبالٹ کا دیدار کرنے اور اس سے شرف تعارف حاصل کرنے، اس کے گھر پہنچا، اسے اس کامیاب علاج

---

(۱) LIEBEAULT

اور مفید ایجاد کے سلسلہ میں مبارکباد دی، اور بڑے حوصلہ افزا کلمات سے اس کے سمند عزم کو اور زیادہ آگے بڑھنے اور رہبری کرنے پر مجبور کیا، اس سے بہت مفصل گفتگو کی، اور اس کے نتائج تحقیق معلوم کرنے کی کوشش کی، پھر یہ طریقہ حاصل کر کے وہ پیرس پہنچا، یہاں اسے یابنکی اور شارکو نے شفاخانے میں استعمال کیا، بہت کامیاب ہوئے، اور جلد ہی یہ طریقہ لوگوں کا مرکز امید بن گیا،

تنویم مقناطیسی!

فرانس سے تنویم مقناطیسی کا طریقہ عام دنیا کے اطراف میں پھیلا، لیکن عجیب بات ہے اس کی ابتدا جس سرگرمی سے ہوتی تھی، انجام اتنا ہی سرد اور مایوس کن ہوا، اور اس آغاز و انجام کی عمر بھی کچھ بہت زیادہ نہیں بات یہ تھی کہ کافی طویل تحقیقات اور تجربے کے بعد متحقق یہ ہوا کہ ازالۂ تکلیف و اذیت میں یہ طریقہ غیر معمولی طور پر کامیاب اور بے خطا نہیں ہے!

باب ۲۲

رحمت اور عذاب!

جسمانی تکلیف کی لِم کیا ہے ؟

بہت سے لوگ جواب دیتے ہیں، یہ اس لیے ہے کہ حضرت آدمؑ نے گیہوں کھا کر جس خطا کا ارتکاب کیا تھا، یہ اس کا انتقام ہے جو اولاد آدم سے لیا جا رہا ہے، اور ابد سے لیا جاتا رہے گا۔ بہت سے لوگ اس بات کو صحیح مانتے ہیں، لیکن یہ بالکل غلط اور گمراہ کن عقیدہ ہے، اور عقل انسانی اس کے ماننے سے ابا کرتی ہے، انیسویں صدی کے ذہن و دماغ انسانی نے اس عقیدہ کے خلاف جنگ کی، جیتا اور ثابت کر دیا کہ یہ عقیدہ وہم و خرافات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، تمام عالموں اور سائنسدانوں کا، خواہ وہ مادفیا کے موجد ہوں یا گیس کے یا عمل تخدیر یعنی سُن کرنے اور شل کر دینے کے مکتشف ہوں، اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کی جسمانی اذیت کم کر دینے میں انھیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے، انھوں نے بڑے فخر و ناز کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ ہزارہا ہزار سال سے تکلیف و اذیت کی جو لعنت انسانی جسم کو اپنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھی، اسے انھوں نے اپنے ایجادات کے زور سے پارہ پارہ کر دیا اور ان کا یہ کارنامہ انسانیت کے لیے ایک نعمت ثابت ہوا،

دنیا کا استفادہ!

اب تخدیر اور کیمیا دونوں میں اس کی قدرت ہے کہ ایک کامل دور کے ثمرات سے دنیا کو مستفید کریں، اور جن الاکھوں نامہ تول میں ازالہ تکلیف پر ان کا غلبہ ثابت ہو چکا ہے انھیں گواہی اور شہادت میں پیش کریں، مگر یہ غلبہ مطلق اور آزاد قسم کا نہیں ہے، لیکن درد و اذیت کا یہ دور ابھی بالکل ختم نہیں ہوا ہے، بیشک انسان نے تکلیف دور کرنے پر قدرت حاصل کرلی ہے، لیکن ایسے کتنے خطرات تھے جو ہر حادثہ کے وقت اس کو درپیش آیا کرتے تھے، کیونکہ اس وقت تک بڑے بڑے رازہائے سربستہ ہنوز سربستہ تھے، اس لیے اس فتح عظیم کی تاریخ خطرات اور مزاحمات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جو طب کے لیے مقدر ہو چکا تھا، کبھی ایسا ہوا یہ طلب پر غالب آگئے اور کبھی یہ ہوا کہ طب نے ان پہ غلبہ حاصل کرلیا، جب کبھی کوئی ڈاکٹر کسی دوا کو استعمال کرتا تو وہ ہمیشہ موت سے جا ٹکراتی، کیونکہ تخدیر کا عمل اس وقت کامل ہوتا ہے جب مریض پہ موت سے ملتی جلتی گہری نیند طاری کی جائے، اس نیند کے خطرہ سے نجات دلانے کے لیے ڈاکٹر کو کتنی احتیاط اور توجہ کی ضرورت ہے ظاہر ہے ڈاکٹر کے لیے اس وقت بڑی سوجھ بوجھ اور اس کے اعصاب میں بڑی قوت کی ضرورت ہوتی ہے جب وہ تکلیف کے مقابلہ کے لیے ہر عمل جراحی میں مریض کو جنازے کی سی بو سنگھاتا ہے،

دلچسپ افسانہ!

..یہی بوٹی علمی تاریخ کے آغاز سے قبل مسکن بوٹیوں میں پائی جاتی تھی، اس قسم کی جڑیوں اور پتوں کے رسوں اور پھولوں سے تیار کیے ہوئے پیالوں میں شفا اور موت دوش بدوش رہتی تھیں، مسکن جڑیوں کے ضمن میں ایک بوٹی سراج القطرب (مردم گیا) کی نسبت عوام کے ذہن نے ایک عجیب روایت گھڑ رکھی تھی، کہ جب اس کو اکھاڑا جاتا ہے تو اس سے خوفناک قسم کی آوازیں نکلتی ہیں، جو شخص ان آوازوں کو سنتا ہے فوراً ہلاک ہوجاتا ہے، یہی موت جو طبیعت کے دواخانے سے نکالی ہوئی تمام خراب اور دواؤں میں مخفی ہوتی ہے۔ تکلیف اور اذیت کے خلاف انسان کے عزم جہاد کو سست کر دینے کا سب سے بڑا اور اہم سبب بنی ہوئی تھی، اس قسم کی خطرناک اور مہلک نباتات سے لوگوں کے خوف اور اجتناب کا یہ عالم تھا کہ اٹھارویں صدی تک وہ ان مہلک لیکن مسکن دواؤں کے مقابلہ میں سخت سے سخت تکلیف برداشت کرنے اور ہر اذیت سہنے کو تیار رہتے تھے،

خواب آور اشیا!

ان خواب آور اشیا کا خطرہ صرف ان کے صاف اور خالص نہ ہونے ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ اس کا انحصار اس مجبوری پر بھی تھا کہ انھیں منہ

کے ذریعہ استعمال کرنا پڑتا تھا، اور معدہ میں داخل ہونے کے بعد ان پر کوئی نگرانی یا کسی دوسری قسم کا اختیار و تصرف ممکن نہ تھا، اس کام کو انجام دینے کے لیے کیمیا کا فن اٹھا، اور اس نے انھیں ملے جلے زہروں سے پاک صاف کر کے مقدار خوراک کی نازک تر حد بندی بھی کر دی، اسی طرح فن نے سونگھنے والی گیسوں کی دیکھ بھال بھی کی، اور ان کی مقدار بھی متعین کی۔

موت پر قابو!

تاہم یہ ساری تدبیریں بھی موت پر قابو نہ پا سکیں، کیونکہ وہ ہمیشہ آڑ میں چھپی رہتی تھی، تخدیر سے سکون کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ موت سے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے، ایسی حالت میں ڈاکٹر سے اگر ذرا بھی غفلت ہو جائے تو موت کو فوراً موقع مل جاتا ہے اور وہ عین ایسے وقت جب مریض کے جسم سے درد کھینچ رہا ہو خود مریض کو ڈاکٹر کے ہاتھ سے چھین کر دوسری دنیا میں بے تامل پہنچا دیتی ہے۔

نظام حیدر آباد!

۱۸۸۸ء میں دنیا کے متمول ترین شخص نظام حیدر آباد نے علمائے سائنس کی ایک کمیٹی بنائی کہ وہ کلوروفارم سے پیدا ہونے والے خطرات کی تحقیق کرے اور معلوم کرے کہ آیا موت تنفس کی کمی یا حرکت قلب رک جانے سے ہوتی ہے یا کلوروفارم دینے کے بعد کوئی اور سبب موت کا پیدا ہو جاتا ہے، اس سلسلہ

میں مختلف اور متضاد رائیں قائم کی گئیں، لیکن کثرت آرا قلب کی حرکت ہی رک جانے کی تائید اور موافقت میں تھی۔ اس کے بعد ڈاکٹر اڈبنول کی تحقیقات ظہور میں آئی۔ اس سے کلوروفارم کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئے جن سے موت کے خطرات کے علاوہ ظاہر ہوتا تھا کہ اگر عمل جراحی کے دوران میں اسے دیر تک سنگھایا جائے اور آپریشن کامیاب ہو جائے تو بھی مریض ہوش میں آنے کے بعد اس سمیت کے باعث چند روز کے اندر مر جاتا ہے، یہ موت بڑی مقدار میں کلوروفارم کے پھیپھڑے کے اندر پہنچ جانے سے واقع ہوتی ہے۔

کلوروفارم کی خوبیاں!

جس طرح کلوروفارم کی خوبیاں اچھی طرح ظاہر اور نمایاں ہونے لگیں، یہاں تک کہ ایک مشہور ڈاکٹر سر رچرڈسن اپنے رسالہ میں جس کا نام تکلیف وا ذہین پر غلبہ" ہے لکھا ہے:

"انسانیت کی خوش نصیبی تھی کہ ایتھر کلوروفارم سے پہلے وجود میں آ چکا تھا، کیونکہ کلوروفارم سے وقوع میں آنے والے موت کے حوادث اتنا زور پکڑ گئے تھے کہ اطبّا کے عزم میں مانع آ رہے تھے اور تخدیر کی راہیں بند ہوتی جا رہی تھیں ———— !"

کلوروفارم کے اور موت کے درمیان جو مضبوط رابطہ پایا جاتا ہے محققین کے مباحث سے بخوبی ثابت ہو چکا ہے، اگر اس مادے کو روشنی اور ہوا

میں لایا جائے تو وہ نہایت مہلک زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کا نام "فوسجین" ہے، یہ زہر پہلی جنگ عظیم کے دوران میں بہ مقدار وافر تیار کیا گیا تھا،

ترقی اور زوال!

کلوروفارم نے جتنی تیزی سے ترقی کی تھی اس سے زیادہ سرعت کے ساتھ اسے زوال و انحطاط سے دوچار ہونا پڑا، گزشتہ صدی کے آخری دور میں جو رپورٹیں مرتب ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال پہلے کے مقابلہ میں نصف رہ گیا، اور ایتھر اپنے سابقہ درجہ پر پھر لوٹ آیا، لیکن ایتھر بھی نکتہ چینی سے محفوظ نہ رہا، اس کی مخالفت پہ بھی بعض ڈاکٹر اٹھ کھڑے ہوئے، جنھوں نے اس کی خوبیوں سے یکسر انکار کر دیا، ان میں کیپر سب سے آگے تھا، جنگ میں اس کے مرتبہ اعداد نے ظاہر کیا کہ ایتھر کے ذریعہ وفات کے حادثات ساٹھ فیصدی تک بڑھ گئے تھے، اس نے ہنسانے والی گیس استعمال کرنے کا مطالبہ کیا جس سے موت کے حوادث بیس فیصدی سے آگے نہیں بڑھتے تھے، لیکن یہ گیس بھی بے داغ نظر نہ آئی، اس میں ایک عیب یہ نظر آیا کہ نیند لانے میں اس کا اثر کمزور تھا یہاں تک کہ آپریشن کے دوران میں ایک سے زیادہ مرتبہ جراح اسے چھوڑنے پر اور بعض مرتبہ اس کے بجائے کلوروفارم استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے،

---

(۱) Phosjene

نئی ایجاد!

اب ایتھیلین ظہور میں آچکی تھی، اس لیے لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف متوجہ ہوگئیں، ایتھیلین کی بوتل میں کاربونک ایسیڈ کثرت ہوتا تھا اس لیے موت کی انگلیاں بدستور اس پر اپنی گرفت قائم کیے ہوئے تھیں، یہی وہ گیس ہے، جس نے بسا اوقات لوگوں میں اس طرح زہر پیدا کر دیا کہ انھیں اس کا پتہ بھی نہ چل سکا کہ یہ زہر کیسے سرایت کر گیا، اس کے علاوہ ایتھیلین زبردست قسم کے آتشیں مادوں سے عبارت ہے، اسے پہلی مرتبہ ۱۹۱۷ء میں جرمنی نے فلانڈرز کے معرکہ میں استعمال کیا تھا، جس طرح یہ میدان جنگ میں پھٹ پڑتا تھا بالکل اسی طرح کبھی کبھی یہ معمل (لیبوریٹری) اور ہسپتال میں بھی پھٹ پڑتا، جیسا کہ برسوں پہلے بالٹی مور کے ایک طبیب کو یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ اس نے ہوا برقی سوئی استعمال کر ڈالی، اس کے پھٹ پڑنے سے مریض کی جان چلی گئی،

ایک خطرہ!

غرض مریض کو سلانے کا واسطہ خواہ کوئی ہو، ایک خطرہ بہرحال سب میں موجود تھا، یہ کہ ذرہ کے ساتھ بعض اوقات جان بھی چلی جاتی تھی، طبیعی نیند موت سے جتنی مشابہ ہوتی ہے، مصنوعی نیند کی مشابہت اس سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ مریض کی حالت ایک بے حس و حرکت جسم کی سی ہو

جاتی ہے، سبب اس کا یہ ہے کہ جسم میں زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ گیس خون میں داخل ہو کر آکسیجن کو ضائع کر دیتا ہے اور برقی دباؤ، اور حیاتیاتی نسیجوں کی ذکاوت میں کمی پیدا کر دیتا ہے، نیز اُن برقی و کیمیاوی حرکات کو جو طبیعی زندگی کے لیے لازمی ہیں روک دیتا ہے، اس طرح جو عضو مریض یا ضعیف ہو جاتا ہے وہ مسموم ہو جاتا ہے، اور جب موت غالب آتی ہے تو وہ تمام اعضا کی طرف بڑھتی ہے، اور ایک ایک عضو کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، یہ تھے وہ اسباب و عوامل جنھوں نے علما کو ایسے وسائل کی تلاش و جستجو پر مجبور کیا جن کے ذریعہ تخدیر کے خطرات کا کامیاب مقابلہ کیا جا سکے چنانچہ حیاتیات، علم البرق، اور کیمیا کی مدد سے جو تحقیقات کی گئی، اس کی بدولت نسیجوں کی مدت مقاومت نیز ان نسیجوں میں گیس کی حد برداشت معلوم کر لی،

اوپر جو مباحث گزر چکے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف اذیت سے جنگ کرنا اور اسے جاری رکھنا ایک بہت دشوار اور سخت و صعب کام ہے، اس کام کے انجام دینے کے لیے بڑی توجہ اور مستقل پیدا دماغی کی ضرورت ہے، کیونکہ موت کے خلاف انسان کی جنگ اس کی بہت بڑی اور زبردست دشمن ہے،

انسان کی دشمنی!

میں اس لڑائی کو انسان کی بڑی دشمنی کہتا ہوں صرف دشمن

نہیں بلکہ کٹّر دشمن کہتا ہوں ، کیونکہ جس بوتل میں مخدّر دوا ہوتی ہے
خواہ وہ عرق کی صورت میں ہو ، یا سفوف کی ، بہر حال وہ ایک مستقل
خطرہ ہوتی ہے ، جو جسم اور عقل کے لیے واقعی بہت زیادہ تکلیف دہ
اور ہلاکت خیز ہوتا ہے ! !

باب ۲۳

بڑی آفت!

تکلیف و اذیت سے رہائی پانے کے لیے انسان کو بڑی گراں قیمت ادا کرنا پڑتی ہے! ——————— اگر وہ مخدرات کی آڑ میں چھپی ہوئی موت سے بچتا ہے، تو اسے ایک اور آفت نظر آتی ہے جو اسی کی تاک میں گھات لگائے بیٹھی ہے، اس لیے معالج کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں جسم اور روح دونوں پر حملے کا بچاؤ کرے!

درد کا تدارک!

نباتات کی جڑیں ان کے شیرے یا رس، گیس اور اس کے بخارات ایک طرف درد و اذیت کے تدارک میں طبیب کی امیدوں کا مرجع بنے رہتے ہیں، تو دوسری طرف وہ عیوب و نقائص کی پناہ گاہ بھی ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ جو چیز تسکین کی حامل ہوتی ہے اس میں ایک خصوصیت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ وہ ایک طرح کا سکر یا نشہ بھی پیدا کر دیتی ہے، اور خوشگوار خوابوں کی ایک ایسی جنت پیدا کر دیتی ہے جو بعد میں انسان کے لیے جہنم کے دروازے کھول دیتی ہے، جو شخص اس کی طرف راغب ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ وہ اس کے جسم کو آہستہ آہستہ گھن لگ رہا ہے اور آخر میں وہ صرف

پوست و استخواں کا ڈھانچہ ہو کر رہ جاتا ہے، یہی گھن اس کی عقل و روح کو بھی کھانے لگتا ہے، اور اس طرح مسکّن شے کے استعمال کا انجام موت سے زیادہ دردناک اور تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے، کیونکہ عقل و روح کا انجام آدمی کو جیتے جی مردہ بنا دیتا ہے،

جرائم اور جنون!

ایک قدیم فارسی ضرب المثل ہے "مسکّن ادویہ سے جو شفا ہوتی ہے وہ ظلماتی قوتوں، یعنی جرائم اور جنون سے ربط رکھتی ہے"، ایروس نے ان دونوں کے جو حصے بیان کیے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ یہ دوائیں لوگوں سے ان کے گھر بار اور اہل و عیال کو فراموش کرا دیتی ہیں، اور انھیں سور روپ میں تبدیل کر دیتی ہیں، ڈاکٹر دان موئین نے لکھا ہے:

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو مسکّن ادویہ کی پناہ لیتے ہیں کیونکہ ان کا استعمال نفس کو مکدّر کر دیتا ہے، اور اس میں ایک عجیب قسم کا اضطراب پیدا کر دیتا ہے ——— !"

نشہ کی طلب!

نباتات اور جڑی بوٹی سے نشہ کی طلب نے تمام قبائل، اقوام اور ان کے بنائے ہوئے تمدن کو اپنا بندہ بے دام بنا رکھا تھا، خانہ بدوش سیت قوم کے لوگ قنب ہندی یعنی بھنگ استعمال کیا کرتے تھے، جیسا کہ ہیرو

ڈوئس نے بیان کیا ہے، دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں ایک عرب شیخ نے سر اٹھایا تھا جو اپنی خون کی پیاس بجھانے کے لیے بھنگ کے تسکین آور نشہ کا عادی ہوگیا تھا، یہ شیخ حسن صباح الحمیری تھا، جو فرقۂ اسماعیلیہ کا بانی مبانی تھا، جس کے فدائی اور معتقد مصر، شام، اور ایران میں پھیلے ہوئے تھے وہ چاہتا تھا کہ اپنے اقتدار اور تسلط کی بنیاد قتل پر رکھے، اس نے ایک ایرانی قلعہ پر قبضہ جمایا اور وہاں کے لوگوں کو بھنگ کا شربت پلانے لگا، یہ نشہ انھیں فردوسی خوابوں کی ایک عجیب و غریب دنیا میں منتقل کر دیتا تھا، حسن بن صباح نشہ میں مبتلا کر کے اپنے شکار کو یقین دلاتا کہ اگر وہ اس کے احکام کی آنکھ بند کر کے بے چون و چرا اطاعت کریں گے تو وہ مستقل طور پر اس جنت میں پہنچ جائیں گے، جہاں کا نظارہ وہ عارضی طور پر کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں،

بھنگ کا نشہ!

حسن بن صباح کے فدائی اس کی اطاعت آنکھ بند کر کے کرتے تھے، اور بھنگ کے نشہ میں سرمست ہو کر خوب خوب گردنیں کاٹتے تھے، اس کے فدائیوں کو "حشاشین" اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عربی میں بھنگ کو حشیش کہتے ہیں، یہ لوگ بھنگ کے بری طرح سے رسیا ہو گئے تھے، ان لوگوں کا زور کوئی ڈیڑھ سو برس تک قائم رہا، پھر مغلوں کے ہاتھوں وقت کی یہ بہت بڑی اور بے انتہا خطرناک و ہلاکت خیز ہمیشہ ہمیشہ

کے لیے فنا کے گھاٹ اتر گئی ،

افریقہ اور ایشیا میں اب بھی بعض قبائل ایسے ہیں جو بھنگ استعمال کرتے ہیں ، امریکہ میں بھنگ " میری جوانا " کے نام سے مشہور ہے اس کا استعمال مدرسوں میں عام ہو گیا تھا ، اور امریکہ کے نوجوان اس خبط میں اتنی ترقی کر گئے تھے کہ نوجوان مجرموں یا قاتلوں میں پچاس فیصدی وہ لوگ تھے جو بھنگ کے عادی تھے ، اور اسے بطور نشہ کے استعمال کرتے تھے ،

افیون کی قدامت!

اسی طرح افیون بھی قدما کے ہاں مشہور تھی ، اشوریوں کی لوحوں اور مصر کے کھجور کے پتوں میں جو ڈیڑھ ہزار برس قبل مسیح کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں ، ایسے مردوں ، عورتوں ، نوجوانوں اور لڑکیوں کی تصویریں بنی ہیں جو رات کی تاریکی میں کھیتوں کی طرف جا رہے ہیں تاکہ سبز خشخاش کے ڈوڈے کاٹیں اور اس کام کے دوران میں مختلف حرکات ، اشارے اور ساتھ ہی ساتھ مذہبی فرائض انجام دیتے رہتے تھے ،

بابل اور نینوا کے تجارتی راستوں سے جو قافلے گزرتے تھے وہ صحرائے مصر سے ایران اور دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقے ، اور تمام عربی ممالک میں ایک لذیذ زہر ساتھ لے جایا کرتے تھے

افیون کی تعریف!

مجوسی ، کاہن اور بت پرست لوگ افیون کی پینک کو ایک ایسا

ل خیال کرتے تھے جو انسانی نفس کو دیوتاؤں کے امتحان سے ملتا تھا ، درویش اسے عطرِ فردوس کے نام سے یاد کرتے تھے ، ایک شاعر نے افیون پر بڑے مزہ کی طبع آزمائی کی ہے ،

کہتا ہے :

" افیون کی دنیا بھی کیسی اچھی دنیا ہے ،
نہ اس میں کوئی ملامت گر ہے نہ حاسد ،
زمین کی ظلمتیں ہوں یا تاریکیاں ،
اس کی روشنی خلد بریں تک پہنچا دیتی ہے ،
افق کے تارے اسے سجدہ کرتے ہیں ،
" عطرِ فردوس " کی یہی خاصیت ہے ، ______________
______________ ! "

قرونِ وسطیٰ میں مشرق کی تجارت افیون پر قائم تھی ، یہاں تک کہ مغلوں نے اس کا اجارہ حاصل کر لیا ، چین میں اس کا استعمال درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا ، اسی پیمانہ پر اس کی مضرت اور نقصان کا حامل تھا ، چین میں پہلے پہل سرداران لشکر اور حکامِ شہر نے اس کا استعمال شروع کیا ، پھر عوام پر اس کا جادو چل گیا ، اور عوام کے کثرتِ استعمال نے اسے بہت خطرناک حیثیت دے دی ، یہاں تک کہ شہنشاہ لانگ سن اس کی کاشت پر پابندی عائد کرنے پر مجبور ہو گیا ، اب ہالینڈ اور انگلستان کی جہاز راں کمپنیوں کو باہر سے افیون لانے کا موقع ہاتھ آگیا ، ایلی ہندوستان کی

ایک کمپنی ——————— غالباً ایسٹ انڈیا کمپنی ———————

نے بیس ہزار پیپے افیون کے چین کی سرزمین پر پہنچا دیئے، لیکن حکومت کو پتہ چل گیا، ان پیپوں میں سے اکثر حصہ اس نے قبضہ کر لیا، اور انہیں جلا کر خاکستر کر دیا۔

خطرناک عنصر!

۱۸۹۸ء میں ایک جرمن نے ہیروئین کا انکشاف کیا، جو رفیقوں کے عناصر میں سب سے زیادہ خطرناک ہے، چین نے ایک سال کے اندر سے ۲۳۰ کیو کی مقدار میں درآمد کیا، پوری دنیا میں فن طب اسے جتنی مقدار میں استعمال کرتا ہے، یہ مقدار اس کی دوچند ہے۔

لیکن یہ روگ جس سے یورپ نے ایشیا میں اپنی تجارت کا بازار گرم کرنا چاہا تھا، رفتہ رفتہ خود یورپ میں سرایت کرنے لگا، مشرق و مغرب کے درمیان جو تجارتی مبادلہ مسلسل جاری تھا وہ یورپ میں لاؤڈ نسو کی تعلیمات کنفوشس کے مذہب، عربی شاعری اور ہندی فلسفے کے ساتھ افیون کا حقہ (چانڈو) بھی لے آیا۔

اہل یورپ ترقی کے انقلابی دور ہی سے لوڈنم استعمال کرتے آئے ہیں جو الکحل کے اندر حل کی ہوئی افیون ہے، شعرا اس کے بری طرح عادی تھے وہ اپنے اشعار میں اس کے اوصاف اس طرح بیان کرتے تھے کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں اس کے استعمال کا جذبہ بھڑک اٹھتا تھا، وہ بھی اس

خیالی بہشت میں بار پانے کے حد سے زیادہ مشتاق بن جاتے تھے

عجیب لذّت!

طبیب تکلیف و اذیت کی تسکین کے لیے انہی وسائل کی پناہ لیتا ہے، خواہ اس سے کہ وہ گیس ہو یا نباتی مرکب، کثرت استعمال سے انسان عادی ہو جاتا ہے، اس طرح اس کے دل میں یہ اپنا نشیمن بنا لیتی ہے، اس کا استعمال خواب اور بیداری ہر عالم میں انسان کے لیے ایک عجیب لذت اور ایک عجیب مسرت کا حامل اور پیامبر ثابت ہوتا ہے۔

جب تک یہ نشہ ہران نہیں ہو جاتا، انسان اپنے آپ کو ایک عجیب دنیا میں پاتا ہے، جہاں صرف بے فکری ہوتی ہے، مسرت ہوتی ہے، نشہ ہوتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خوشگوار اور لذت آفریں زہر اثر کرتا ہے، اور انسان پر تقریباً جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے،

انجکشن کے سمّی اثرات!

برادرز کا انجکشن اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا، اسے آسانی سے استعمال کیا جا سکتا تھا، مگر اس کے سمّی اثر سے جو لوگ اس کی بھینٹ چڑھ جاتے، ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا، ان کی تعداد حد شمار سے خارج ہے، شارکو نے ایک حاملہ عورت کے حادثے کا ذکر کیا ہے، جو مارفیا (افیون) استعمال کیا کرتی تھی، جب کبھی اس کا معالج اسے مارفیا کے استعمال سے

روکنا تو اسے اپنے پیٹ کے اندر جنین لاتیں مارتا ہوا محسوس ہوتا، یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ افیون کی عادت وراثتہً منتقل ہوتی ہے، اور جو اولاد اس طریقہ پر پیدا ہوتی ہے وہ مریضوں کی طرح پروان چڑھتی ہے، اور مارفیا کے انجکشن کے سوا کوئی شے بھی انھیں زندہ رکھنے میں مدد نہیں دے سکتی۔

تحلیل نفسی!

انیسویں صدی عیسوی کے لٹریچر نے تحلیل نفسی کو اپنا موضوع بنایا، اور اس فن کو بہت وسعت دی، ایک کتاب میں اس دوزخ کو جو دانتے کی قسم سے بہت زیادہ مشابہ ہے، اسے بڑی خوبی سے بیان کیا ہے اس کا شوق رکھنے والا اس کی ابتدا بڑی چھوٹی خوراکوں سے کرتا ہے، پھر بتدریج اس کی مقدار بڑھانے پر مجبور ہو جاتا ہے، پھر جب نشہ کی طلب بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، تو وہ بڑی بڑی خوراکیں بھی استعمال کرنے لگتا ہے، اب نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیند اس سے کنارہ کش ہو جاتی ہے، بے خوابی اس کے بستر پر کانٹے بچھا دیتی ہے، ادھر وہ غنودگی کے عالم میں پہنچا ادھر بے چین خوابوں نے اپنے نشتر چبھونا شروع کر دیے، بڑے بڑے خوفناک بھنور ہڑپ کرنے کے لیے منہ کھولے نظر آنے لگے، افیون کا شخص عادی ہو جاتا ہے وہ کھانے پینے سے زیادہ مارفیا کی ضرورت محسوس کرتا ہے، ہر دن، ہر گھڑی اور ہر منٹ اس کی مقدار میں اضافہ ہی ہوتا

جاتا ہے ، وہ اس سے نفرت کرنے لگتا ہے تاہم اس کے ترک کر دینے پر قدرت نہیں رکھتا ، اگر افیون حاصل کرنے کے لیے وہ اپنا جسم ، زور ، غرض قیمتی سے قیمتی چیز فروخت کر دینے پر مجبور ہو جائے ، تو وہ ان میں سے ہر چیز فروخت کر دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کرے گا یہی وجہ ہے کہ وہ مافیون کے لیے اپنے کام کاج ، عزت ، آبرو ، رشتہ داری ، یگانگت ، اغراض و مقاصد ، زندگی ، زندگی کی آرزوئیں ، ایمان ، ضمیر ہر چیز قربان کر دینے اور لٹا دینے پر ہمہ وقت آمادہ اور تیار رہتا ہے جب عقل اور جسم میں کمزوری اور سستی کے آثار و علائم ظاہر ہونے لگتے ہیں ، تو بھوک کم ہو جاتی ہے ، قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں ، ذہانت و ذکاوت ماند پڑ جاتی ہے ، قوت حافظہ مکدر اور ارادہ منتشر ہو جاتا ہے ، اعصاب ، دورہ رساخون اور تنفس کا نظام بالکل ابتر اور پراگندہ ہو جاتا ہے ،

افیون کے مقابلہ میں شکست

اس وقت تک تو کیفیت یہ ہے کہ حکومت کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں ، افیون کے تاجروں کے ہاتھ باندھنے اور عمل روکنے کے سلسلہ میں ہر حکومت اور ہر قوم قطعاً ناکام ہو چکی ہے ، بڑی بڑی کوششیں کی جا چکیں ، لیکن اتنی بڑی ہونے پر بھی وہ اتنی کمزور اور بے مایہ ثابت ہوئیں کہ اس فتنہ عظیم کا نہ سد باب کر سکیں ، نہ اس کے بڑھتے ہوئے قدموں میں زنجیریں ڈال سکیں ،

باب ۲۴

کوکین!

چیلی، پیرو اور دوسرے دور دراز مقامات پر کوکا نام کا ایک درخت ہوتا ہے، ان جگہوں کے باشندے جب کبھی تکان محسوس کرتے ہیں یا اپنے اندر ایک نئی قوت اور ایک نئی حرارت پیدا کرنا چاہتے ہیں، تاکہ سفر کی مشقت برداشت کرسکیں اور پہاڑ کی اونچی اونچی چوٹیوں پر بغیر تھکے ہوئے چڑھ سکیں تو وہ اس درخت کی چند پتیاں چبا لیا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شرزر نے ان ممالک کی سیاحت کی، اور یہاں کے باشندوں کے عادات و رسوم سے واقفیت پیدا کرنے کی کوشش کی، اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہا، ایک مرتبہ بڑی طولانی سیاحت کے بعد جب وہ واپس آیا، تو اس عجیب و غریب مقوی اور مسکن درخت کی پتیوں کی ایک شاخ اس کے ہاتھ میں بھی تھی، وہ خالی ہاتھ گیا تھا، لیکن واپس جب آیا تو اس کے ہاتھ خالی نہ تھے، ان میں ایک بڑی قیمتی اور عجوبہ چیز بھی تھی ————!

ڈاکٹر نیومن!

ڈاکٹر نیومن نے ان پتیوں سے ایک مادہ نکالا، اور اس کا نام کوکین رکھا، بعض امریکی ڈاکٹروں نے مارفیا کے عادی مریضوں کے علاج میں سکا

تجربہ کیا لیکن آزمائش سے معلوم ہوا کہ یہ شے مریض کو شفا دینے کے بجائے اس کی حالت اور زار و نزار بوں کر دیتی ہے، اس کا استعمال ایسا ہی ہے جیسے کوئی چنگاریوں سے بچنے کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ میں کود پڑے۔

ایک روز ڈاکٹر فرائڈ اپنے ایک نوجوان اور مشہور دوست کا علاج کر رہا تھا، یہ شخص مارفیا (افیون) کا بری طرح عادی ہو چکا تھا، اس نے معالجہ کے تمام امکانی وسائل استعمال کر ڈالے، لیکن بیکار، کسی نے کوئی فائدہ نہ ہوا، حالت جوں کی توں رہی، بلکہ اور زیادہ تکلیف دہ صورت اختیار کرتی گئی، اس کے کانوں تک جب کوکین کا حال پہنچا، تو خیال ہوا، کیوں نہ اسے بھی استعمال کر ڈالا جائے؟ استعمال کیا، مگر نتیجہ ——— وہی ڈھاک کے تین پات۔

فعلی اثرات!

اب فرائڈ نے طے کیا کہ اس چیز کی خصوصیات اور فعلی اثرات کی تحقیق کی جائے، جب اس ارادہ نے عزم بالجزم کی صورت اختیار کر لی تو اس نے اپنے دوست ڈاکٹر کولر کو بھی اپنے عزم و ارادہ سے مطلع کیا، وہ وائنا کے ایک شفاخانے میں آنکھوں کا سرجن تھا، اسے جو یہ اطلاع ملی، تو وہ بھی شرکت اور رفاقت پر تیار ہو گیا، سامان سفر باندھا اور فرائڈ کے پاس پہنچ گیا، دونوں سر جوڑ کر پورے انہماک اور مستعدی کے ساتھ اس کام میں لگ گئے، ان دونوں کی متفقہ تحقیقات کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ کوکین کی یہ

خاص تاثیر یہ معلوم ہوئی کہ جب کوئی شخص اسے منہ کے راستے استعمال کرتا ہے تو یہ زبان کے اعصاب کو ماؤف اور شل کر دیتی ہے، اور اس کی حس باطل ہو جاتی ہے، فرائڈ نے اس کی جانچ خود اپنے اوپر کی اور معلوم کیا کہ زبان کا احساس باطل ہونے کی وجہ اطراف اعصاب میں قائم کی کیفیت کا پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ احساس ایک خاص حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے، وہاں سے آگے نہیں بڑھتا، نہ مرکزی عصب تک اس کے اثرات پہنچتے ہیں، مقامی یا محدود تخدیر کی راہ میں یہ پہلا قدم تھا جو اٹھایا گیا، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ جسم کے علیحدہ علیحدہ حصوں یا عضو کو سُن اور شل کرنے کی ابتدا باقاعدہ اور اصولی طور پر یہیں سے ہوئی یہ بڑی کارگر تحقیق تھی، اور اس نے پھر دنیائے طب میں ایک ہلچل پیدا کر دی،

طویل سفر!

اس کے بعد فرائڈ کو اپنی منگیتر سے ملنے کے لیے ایک طویل سفر پر جانا پڑا، اس نے جس کام کی داغ بیل ڈالی تھی، جاتے وقت اپنے رفیق تحقیق ڈاکٹر کولر کو ہدایت کر گیا کہ وہ اپنے کام میں مصروف رہے، تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری رہے، اور یہ کام ہرگز ہرگز کسی طرح بھی رکنے نہ پائے،

کولر نے اس ہدایت کی سختی اور وفاداری کے ساتھ تعمیل کی، اس نے سب سے پہلے اسے مینڈک کی آنکھوں پر آزمایا، اس کے بعد خود اپنے

اوپر اور پھر اپنے رفیقوں اور دوستوں پر تجربہ کیا، بعض ایسے لوگوں کو بھی اس کے تجربے پر آمادہ کیا جو امراض حلق کا بہت علاج کیا کرتے تھے اور اس علاج کے ماہر خصوصی بن چکے تھے، اس بات کا مقصد یہ تھا کہ یہ اندازہ بھی ہو جائے کہ حلق پر اس کے کیا اور کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں'؟

فرائڈ اور کولر!

فرائڈ کا مل دو سال کے بعد سفر سے واپس آیا، اس دو سال کی عدم شرکت نے فرائڈ کو گویا میدان سے خارج کر دیا تھا، کولر کا نام زندہ تھا اور اسی کو اس زبردست ایجاد کا موجد اور مخترع مانا جا رہا تھا، ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس محرومی کا اثر فرائڈ پر یہ ہوتا کہ وہ اپنے منگیتر سے متنفر ہو جاتا، کیونکہ وہی اسے شہرت اور ناموری کے بلند منصب تک پہنچنے میں روک بنی تھی، لیکن اس نے اس محرومی سے کوئی برا اثر نہیں لیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتا تھا، اکتشاف اور تحقیق کا ایک بہت بڑا اور وسیع میدان اس کے سامنے موجود ہے، اور اس کے ہوتے ہوئے یہ اکتشاف (کوکین کا اکتشاف) کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتا ——— ——— تحلیل نفسی کا ایک محیر العقول، معجز نما اور سراسر انوکھا اور نرالا اکتشاف صرف اسی کے انتظار میں اب تک سرا پردۂ عدم میں مستور تھا،

———

قدامت کی مہر!

قدیم زمانہ سے لوگوں کو مقامی تخدیر کا علم تھا جو آثار اس پر دلالت کرتے تھے انھوں نے فرانڈ کو انسانی کھوپڑیوں کی کھدائی پر آمادہ کیا، جن کے معائنہ سے صاف طور پر یہ بات واضح ہوگئی کہ دس ہزار قبل مسیح کے قدما بھی مقامی تخدیر کے فن سے واقف تھے اور وہ اس کام کے لیے اعصاب پر دباؤ ڈالنے کا طریقہ استعمال کرتے تھے،

اٹھارویں صدی کے اواخر میں جیمور نے عرق النسا پر دباؤ ڈال کر پنڈلی کاٹنے کا عمل جراحی بغیر کسی تکلیف واذیت کے انجام دیا۔

یہ لوگ تخدیر کے لیے اطراف اعصاب پر دباؤ ڈالا کرتے تھے اور مقام ماؤف میں جسم کی حرارت کو برف وغیرہ کے ذریعہ پست کر دیا کرتے تھے،

نپولین کے طبیب خاص لارائی نے بیان کیا ہے کہ روس پر حملے کے دوران میں زخمیوں کا علاج شدید سردی پہنچا کر یعنی یخ کر کے بغیر کسی تکلیف و اذیت کے وہ عمل جراحی کرلیا کرتا تھا،

اعمال جراحی!

۱۸۵۲ء میں جسار نوٹ نے مفرد قسم کے چھوٹے اعمال جراحی میں برف اور نمک کا استعمال کیا، پھر جب گیس کی کیمیا نے علم وعمل کے نئے نئے دروازے کھول دیے تو بعض جلد اڑ جانے والے سیال مادے استعمال

کرنے کا طریقہ بھی قدما نے معلوم کر لیا، یہ سیال سردی میں حرارت اور بخار بنتے وقت پیدا ہوتے تھے، بنجامن چرڈسن نے ایتھر کا استعمال بھی کیا ہے وہ ایک بخار انگیز آلہ کے ذریعہ جلسہ پر استعمال کیا کرتا تھا، اس کی وجہ سے مقامی حرارت میں بہت زیادہ کمی واقع ہو جاتی، اور اس طرح وہ مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے آپریشن مریض کو کسی قسم کی اذیت اور تکلیف پہنچائے بغیر نہایت چابک دستی اور کامیابی سے انجام دے لیا کرتا،

تخدیر کے سلسلہ میں کوکین کی اہمیت اور افادیت کیا ہے؟ اس کا اندازہ بھی موجودہ انکشاف سے قبل قدما کو ہو چکا تھا، انکاس اور پیرو کے قبائل کوکا کے پتے چبایا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب اس سے خوب رطوبت پیدا ہو جاتی تو اس کے لعاب کے تار تکلیف دہ زخموں پر بڑے اطمینان سے استعمال کرتے تھے،

موجد کون؟

دراصل مقامی تخدیر کا موجد کہلانے کا استحقاق صرف کولر ہی کو ہے جو نیومن اور فرائڈ کے تجربے اور ووڈ کی جوف دار سوئی، اور برادرز کی پچکاری سے استفادہ کرنا اچھی طرح جانتا تھا، وہی پہلا شخص تھا جس نے اپنی مہارت کی دھیمی روشنی میں اس علم کی بنیاد رکھی، اور مریض کو ایک ایسے کیمیاوی مادہ کی پچکاری دی، جس کے باعث اعصاب کی قوت حسیہ ماؤف اور شل ہو جاتی تھی، لہذا کسی قسم کی تکلیف اور اذیت کے محسوس ہونے کا سوال بھی

نہیں پیدا ہوتا تھا، بلاشبہ اس واقعہ کو تخدیر کی تاریخ میں ایک کھلی ہوئی فتح اور عہد جدید کے نمود و ظہور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، مقامی تخدیر کے اکتشاف نے حالات میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا، اس سے ڈاکٹروں کی پریشانی بھی کم ہو گئی، اور مریضوں پر جو دہشت آپریشن کی چھائی رہتی تھی، وہ بھی بڑی حد تک دور ہو گئی،

مصنوعی نیند!

مسکن اور خواب آور ادویہ کا فعل اس مصنوعی نیند پر قائم ہے، جس میں سمجھ جاتی رہتی ہے، انسان کی ذاتیت، انانیت، اور خودی چھپ جاتی ہے،

بالکل اسی طرح جیسے جیتے جاگتے، ہوشیار اور سمجھدار بولتے چالتے انسان کے روبرو اسے تکلیفوں کی گرفت دھیلی کرنے کی بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ ایک مردے کی طرح بن جائے، جس میں نہ حرکت ہو نہ سمجھ اور نہ کسی قسم کی تاب گویائی، اور مجال تکلم، دوسرے الفاظ میں اس کا جسم کچھ دیر کے لیے موت کا لباس پہن لے، کوکین نے نمودار ہو کر، اس خطرناک اور خوفناک صورت حال کو ختم کر دیا،

تخدیر کا کرشمہ!

جن لوگوں کو اس قسم کے ابتدائی آپریشن دیکھنے کا موقعہ ملا، جو اس طرح انجام دیے گئے تھے کہ مریض کے اگرچہ ہوش و حواس قائم تھے، لیکن

تکلیف کی اس عارضی طور پر ختم ہو چکی تھی، لہٰذا آپریشن کی ساری مدت میں
مریض نے ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں کی، نہ وہ چیخا نہ چلّایا، نہ فریاد کی،
نہ آہ و زاری کا لامتناہی سلسلہ شروع کر کے ڈاکٹر کے حواسوں پر حملہ کیا! یہ لوگ
بغیر تکلیف کے مریض کو نوک نشتر کی تکلیف محسوس کیے بغیر آپریشن کراتے دیکھ
کر بہت متعجب اور متحیّر ہوئے تھے، مگر جب انھوں نے مقامی تخدیر کا کرشمہ بھی
دیکھ لیا تو اور زیادہ تعجب ہوا، کیونکہ اس کی بدولت مریض دیکھتا، سنتا،
باتیں کرتا ہے، جو سوالات کیے جاتے ہیں ان کا برابر جواب دیے جاتا ہے یہاں
تک کہ اپنے جسم کے اندر جراح کا نشتر چلتے ہوئے محسوس کرتا ہے مگر قطعاً کسی
قسم کی تکلیف، کسی نوع کا درد، کسی طرح کی اذیت محسوس نہیں کرتا، کیونکہ
اعصاب کے وہ تار جو تکلیف کو فہم و شعور کے مرکز کی طرف منتقل کیا کرتے ہیں،
اپنا عمل چھوڑ چکتے ہیں، لہٰذا ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی،
ان کامیابیوں کے بعد کوکین کے استعمال کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا ——!

وسیع استعمال:

پہلے کوکین کا استعمال صرف آنکھ اور حلق تک محدود تھا، اب اسے عام
جراحت (آپریشن) کے لیے بھی کام میں لانے لگے، اس کام میں فضیلت اور
اولیت کا سہرا امریکہ کے مسٹر ہیلوڈ کے سر ہے، ڈاکٹر کارننگ آیا تو اس نے
ریڑھ کے ستونوں میں اس کے مہروں کے اندر کوکین داخل کی، اور اس طرح
... کے نچلے ... کو وہ چونکا کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سن اور شل ہو جانے کا اثر

تین گھنٹے تک قائم رہنے لگا، اور یہ اتنا طویل وقفہ ہے کہ اس کے دوران میں بآسانی پیٹ کو چاک کیا جا سکتا ہے اور ہبینس وغیرہ کو جڑ سے نکالا جا سکتا ہے،

ایک انصاف پسند اور حق شناس مورخ کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ اس ایجاد کی فضیلت کو انگریزوں، جرمنوں اور فرانسیسیوں کے درمیان مشترک قرار دے، اس فہرست میں سب سے پہلے جو نام موجد اور مکتشف کی حیثیت سے لیے جا سکتے ہیں، ان میں رکلو اور توخیر[1] جیسے ڈاکٹروں کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

کوکین اور افیون!

کوکین میں بھی مارفیا (افیون) کا یہ عیب موجود ہے کہ جو اسے متواتر یا بکثرت استعمال کرتا ہے وہ رفتہ رفتہ غیر شعوری اور بلا ارادہ طور پر اس کا عادی بن جاتا ہے اس حقیقت کا علم جنوبی امریکہ کے قدیم باشندوں کو اچھی طرح سے تھا، یہ لوگ کوکا کے پتے بڑے مزے میں چبا لیا کرتے تھے، اور پورا فائدہ اٹھاتے تھے، انھوں نے اس نئی اور دلچسپ چیز کا نام رکھا تھا، "دوزخ کا درخت!"

ابھی بہت زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ یورپ نے اس خطرہ کو ــــــ اور جنون، خودکشی اور موت کی صورت میں اس سے نمایاں ہونیوالے نتائج کو بھانپ لیا، اور جد و جہد کرتے کرتے کوکین سے بہتر کام کرنے والی اور اس سے کہیں کم مضرت رساں اور کم خطرناک چیزوں کا کھوج لگا لیا، ــــــ مثلاً

---

(1) Reclude Tuhir

ڈوبوکین، روکین، اسٹوڈین، اس کے بعد نوووکین، اور انڈوکون کا نمبر آتا ہے، نمبر اگرچہ آخر میں ہے لیکن اس کی افادیت اور اہمیت اسے سب سے پہلے شمار کرتی ہے، مذکورہ تمام چیزوں میں ازوکین سب سے زیادہ بہتر اور موزوں ہے،

وسیع میدان

کیمیائے جدید کے لیے اب بھی مفید اعمال اور نظریات کی تکمیل کا ایک وسیع اور پربہار میدان سامنے تھا، جس میں وہ برابر ترقی کرتی، اور پھیلتی چلی جارہی تھی، اس کی بدولت انسان نے عادت کے پھندے سے رہائی پائی، ساتھ ہی ساتھ درد اور تکلیف کے پنجہ سے بھی اس کی گلوخلاصی ہوتی گئی، یعنی حیات انسانی کی تاریخ کا یہ دردناک باب بند ہوگیا،

جب ہم گزشتہ دور کی طرف نظر کرتے ہیں، اور عہد نامہ ماضی سے لیکر اب تک کی مسافت اور قطع منازل کا خیال کرتے ہیں، جس سے پہلے مریض جراح کے چاقو سے کشتوں اور مردوں کے سے عذاب میں مبتلا رہتا تھا چنانچہ ایک بڑا سرجن کہا کرتا تھا،

"جس دن عمل جراحی ہونے والا ہوتا مریض کی وہ رات صبح کے انتظار میں وہی ہوتی جو موت کے وقت کسی انسان کو ہوسکتی ہے، کیونکہ آپریشن کی واقعی اور خیالی تصویر انسان کی آنکھوں سے نیند اڑا دیتی، بیچاروں کو اس فکر میں رات رات بھر نیند نہ آتی ——— !"

جراح کا نشتر!

جراح کو نشتر کی تکلیف مختصر کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنا پڑتے تھے اگر جراح جلدی نہ کرتا تو نہ وقت پر اس کا نشتر تیز اور صاف ہوتا نہ کم سے کم وقت میں جراحت کا عمل انجام پا سکتا،

"— اب یہی وقت صفائی ستھرائی اور جریان خون کے روکنے کی تدبیروں میں صرف ہوتا ہے ——————!"

لامحالہ جراح میں چابک دستی اور تیزی کا ہنر لازمی طور پر ہوتا،

آپریشن کی پھرتی!

شورلون ایک منٹ سے کم وقفہ میں پتے سے پتھری صاف کر دیا کرتا تھا، ہورٹن کا معاصر لسٹن آدھے منٹ کے اندر پنڈلی کاٹ دیا کرتا تھا، آپریشن تو اس طرح اکثر و بیشتر کامیاب ہوتے لیکن مریض بھی اکثر جاں بحق تسلیم ہو جاتے، کیونکہ آپریشن لاکھ پھرتی اور تیزی سے کیا جائے وہ تکلیف میں کمی تو نہیں کر سکتا تھا، صرف تکلیف کے وقفہ میں تخفیف ہوتی تھی، اور یہ چیز بالکل ناکافی تھی،

آج کل کا سرجن طب کی اس ترقی اور استعماری کی بدولت جو تخدیر، تطہیر اور اشیا مستعملہ کی ستھرائی، نیز جراحتوں اور امراض کے سلسلہ میں معالجہ کے دوران میں اسے جو مہارت حاصل ہو چکی ہے اسکے باعث وہ صرف اپنے فن کا بلکہ دکھی انسانیت کا آقا اور سردار بن چکا ہے چنانچہ اب سرجن کا نشتر بدن کے ہر حصہ میں پورے امن و امان کیساتھ بغیر کسی چیخ اور فریاد اور نالہ و شیون کے داخل ہو سکتا ہے، —————— مثلاً معدہ، آنت، رحم، حلق، تو کیا قلب اور دماغ جیسے نازک اعضا تک کا آپریشن اس سے ممکن ہے، اور کیا جاتا ہے،

باب ۲۵

اوہام و حقائق!

جسم انسانی میں تکلیف، درد اور اذیت کا ادراک کرنے کے سلسلہ میں آدمی کو جو متعدد اور متفرق وسائل ہاتھ لگے ہیں، ان کے باوجود ان اسرار تک رسائی آسان نہ تھی جو انسانی بدن میں پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ ہو چکا وہ جسم کے خارجی مظاہر کا بیان ہے، جس کا اظہار زبان کے ذریعوں سے ہوا کرتا ہے، مثلاً درد کی بیان جب وہ کسی کا تو ہیں، جیسے: ——— بھالے کی طرح چبھنے والا، کاٹنے والا، پھاڑنے والا، پیسنے والا، جلانے والا، تڑپانے اور پھٹنے والا ——— وغیرہ،

درد کی حقیقت !

یہ سب چیزیں درد کی تکلیف، اس کی شدت اور مدت پر دلالت کرتی ہیں، مگر درد کی حقیقت، ماہیت اور اصلیت کا کوئی پتہ نہیں دیتیں، انسانیت ہزاروں سال سے آلام اور مصائب اٹھاتی آرہی ہے، مگر ان آلام کی حقیقت کیا ہے؟ یہ مصائب کی کنہ کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سربستہ راز ہے جس کی نقاب کشائی اب تک نہیں ہو سکی ہے،

سوال یہ ہے کہ:

" ایسا کیوں ہوا ؟
کیونکر ہوا ؟
اور ———— ؟ "

انسانیت آخر کے لیے اس طویل مدت میں اپنے عذاب و اضطراب کی قرار واقعی تشریح و تعبیر کر سکی ؟

دین اور فلسفہ!

تکلیف کی حقیقت سے انسان کی ناواقفیت زیادہ تر فکر انسانی کی شرافت متوسط اور خارجی اغراض سے تعلق رکھتی ہے یعنی دین، فلسفہ اور رحم ان میں سب سے زیادہ دخیل رہے ہیں، کیونکہ یہی امور اس موضوع کی ہر بحث میں آڑے آتے تھے، اور یہی تکلیفیں اور اذیتیں پیدا کر دیا کرتے تھے،

دینی سماویات، مادے اور روح کی تکلیفات میں فرق و امتیاز نہیں کرتے، "عہد عتیق" کی کتاب ہر قسم کی تکلیف اور اذیت کو ہماری نظر میں قضائے الٰہی کے نمونہ پر پیش کرتی ہے، جس کا تجربہ اللہ سے ڈرنے والے یعنی متقی اور پرہیزگار لوگوں کو ہوا کرتا ہے

مثالِ ایوبیؑ!

مثال میں ہم حضرت ایوب علیہ السلام کا نام پیش کر سکتے ہیں، جنھوں نے غیر معمولی تکلیفیں اور مصیبتیں "قضائے الٰہی" کے باعث اٹھائیں اور جن کا "صبرِ ایوبی" اتنا مشہور ہے کہ ضرب المثل بن چکا ہے، "عہد جدید" کی انجیل

ہر تکلیف اور درد کو "آلائشوں سے نفس کی طہارت کا وسیلہ" قرار دیتی ہے، پولس پیغمبر اہلِ غلاطیہ کے نام اپنے پیام میں کہتا ہے:

"لوگ جانتے ہیں کہ میں نے صرف اپنے جسم میں کمزوری ہونے کے باعث تمھیں بشارت دی ہے اور تم نے اس حالت میں جب میں جسمانی آزار میں مبتلا تھا، حقیر نہیں جانا، چھوڑ نہیں دیا، منہ نہیں پھیر لیا۔"!

شہدا اور اولیا!

شہدا تکلیف کا سامنا بڑی مسرت کے ساتھ کیا کرتے تھے، اور اولیا انتہائی کوشش کرتے تھے کہ حضرت مسیح کی تکلیفات میں حصہ دار بننے کی سعادت اور فخر حاصل کر کے اپنا سر اونچا کریں

چونکہ یہ صلیب پر بہت زیادہ توجہ کرتے تھے، اور اس کو سوچتے رہتے تھے، اس لیے اُن کے اعضا پر صلیب کے نشانات پائے جاتے تھے،

"تکلیف کو مقدس سمجھنے سے کوئی دین خالی نہیں"!

تکلیف کا مقصد!

ہنود تکلیف کو ایک ایسا تجربہ خیال کرتے ہیں جس کی بدولت ایک انسان دوسرے انسان پر عزت اور عظمت حاصل کرتا ہے۔ ایک انسان ان کے مذہبی عالم میں اچھوت ہے اور دوسرا برہمن، اچھوت اس لیے حقیر اور ذلیل ہے کہ اس کے گزشتہ اعمال اسی ذلیل زندگی کے سزاوار تھے۔ اور برہمن اسلئے

سربلند ہے کہ اس کے گزشتہ اعمال اس کے مستحق تھے کہ اب وہ عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتا، اور اگر کوئی اس بات کو نہیں مانتا تو پھر "قضائے الٰہی" ماننے میں تو اسے یقیناً تامل نہیں ہوگا، ——— اور جب (تناسخ کے اصول کے مطابق) دوسرا جنم لے گا، تو ہو سکتا ہے کہ برہمن اچھوت پیدا ہو اور اچھوت برہمن بن جائے، غرض اس طریقہ سے ایمان اور عقیدہ ——— تکلیف کی سائنسی تشریح کی راہ میں محققین اور علما کے لیے ایک مصیبت بن گیا، ہمیشہ ان کے آڑے آتا رہا، ہمیشہ ان کے راستے میں کانٹے بچھاتا رہا، ہر دور میں ان کے لیے عجیب قسم کی ذہنی، دماغی اور جسمانی الجھنیں مہیا کرتا رہا ———!"

یہ خیال فلسفہ کو مذہب سے وراثت میں ملا تھا!

استاد اور ادب آموز!

مذہب نے تکلیف کو ایک استاد اور ادب آموز کا درجہ دے دیا، جو آداب و فضائل کا القا کرتا ہے، اور سست عزائم میں تیزی پیدا کرتا ہے۔ زمانہ قدیم رواقیوں کا مذہب درحقیقت اسی بنیاد و اساس پر قائم تھا، اور جدید عہد میں نٹشے، کانٹ اور ان کے ہم نواؤں کا راگ ایک ہی ہے جو الاپا جا رہا ہے،

لا شیئ یجعلنا عظاما
مثلما الا لم العظیما!

یعنی :

دکھ اور درد کے سوا ہمیں کوئی چیز بھی بڑا نہیں بنا سکتی ، !

ہم نے اناطول فرانس کا مقولہ پڑھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے :

" میں زمین سے اسلیے محبت کرتا ہوں کہ وہ تکلیف کا وطن ہے ، میری نظر میں اور ازل کے بھنور میں یہ دنیا ، یہ جہاں ، یہ نت نئے عالم بیکار ہیں ، اگر ان میں غم و الم نہ ہوں ، بغیر غم و الم کے ان میں فضیلت اور عظمت کا کوئی نشان نہیں پایا جا سکتا ! "

تکلیف سے رغبت

بہت سے لوگ تکلیف سے پریشان اور مضطر ہو جانے کے باوجود اسے پسند کرتے تھے کیونکہ نظریات کے اس دائرہ میں جسم کی تکلیف روح کی تکلیف سے مربوط رہتی ہے ، اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا ، نہ ان دونوں کے درمیان کسی طرح بھی تفریق اور امتیاز ممکن ہے ،

اب رحم کا درجہ آتا ہے ، !——— !

رحم کا کام !

ہم ، تکلیف کے دروازے کا دربان بنا رہا ، عقل کو اندر آنے سے روکتا رہا ، اس کے سبب کوئی شخص اس غرض سے کسی حیوان پر دست درازی کی جرأت نہ کر سکتا تھا ، یہ بھی ناممکن تھا کہ جانور پر تجربہ کر کے دیکھا جائے کہ تکلیف کس طرح اور کیونکر پیدا ہوتی ہے ؟ تکلیف کے وقت انسان کے جسم اور

اعصاب میں کیا گیا، اور کیسے کیسے تغیرات رونما ہوتے ہیں؟ اور جو فعلیاتی اثرات اور کیمیائی تغیرات نسیجوں کی گہرائیوں میں پیدا ہو جاتے ہیں، ان پر اگر تحقیق و جستجو کی نظر ڈالی جائے، تو علم اور فن میں کس قسم کا نیا اضافہ ہو سکتا ہے؟

حیاتیاتی ترکیب!

حالات اسی نہج پر برقرار رہے یہاں تک کہ آخر زمانہ میں علماء کو جلد اور اسکی حیاتیاتی ترکیب پر تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا، اس ضمن میں فریڈ گوڈیشر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جلد بہت سے اعضا کا ایک مرکب ہے، یہ اعضا بجائے خود مستقل حیثیت رکھتے ہیں، یہ ایک دوسرے کے دست نگر نہیں ہیں، یہ عضا پچی کاری یا سنگ مرمر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی طرح ہیں جو اپنے ارتباط سے کڑیوں کا سلسلہ بنانے والے اجزا یا نقاط کی ایک زبردست تعداد پر مشتمل ہوتے ہیں ان میں سے ہر کڑی احساس کے منطقوں میں سے کسی منطقے کی نمائندہ ہوتی ہے،

مثلاً:

ایک کڑی ٹھنڈی چیز کے احساس کے لیے ہے، دوسری گرم کے لیے، تیسری چھونے یا دبانے کے لیے، گویا یہ تین احساس ہوئے،

(۱) گرم

(۲) سرد

(۳) لمس یا دباؤ کا احساس

پھر خان فرے کا دور آیا!

مزید جدّت !

خان فرائے نے مزید جدّت سے کام لیا، اس نے تین منطقوں میں ایک اور منطقے کا اضافہ کیا، اس طرح چار منطقے ہوگئے، یہ چوتھا منطقہ درد کے احساس کے ساتھ مخصوص ہے، یہ درد کے سوا حرارت، برودت وغیرہ کسی دوسری چیز سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا، اس کا تاثر صرف احساس درد تک محدود ہے،

اس طریقہ سے جلد باہم جڑے ہوئے طبقوں کے ایک نئے مظہر کی حیثیت سے نمایاں ہوئی، جن میں سب سے زیادہ گھنا طبقہ درد یا تکلیف کا ہے، اس طبقے اور بقیہ تمام طبقات میں فرق یہ ہے کہ حرارت یا برودت یا دباؤ کا اثر اس وقت تک رہتا ہے، جب تک اثر انگیز چیز ہے تکلیف کا حال اس کے برعکس ہے، یہ سبب زائل ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے،

اس نظریہ نے ایک نیا کام دیا !

عصبی مشین !

وہ نیا کام یہ کہ جسم کی اُس خاص عصبی مشین کا انکشاف ہوگیا، جو تکلیف کو جلد کی سطح سے نخاع شوئی (حرام مغز) تک، اور نخاع شوئی سے دماغ تک منتقل کرتی ہے، ——— دماغ میں بارہ لاکھ خلیات ہیں، سوال یہ ہے کہ ان میں سے کس خلیہ کے اندر تکلیف کا احساس مقیم رہتا ہے ؟ ——— اس کا ہمیں علم نہیں !! ہم زیادہ سے زیادہ جو اندازہ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ تکلیف نسیج کے اندر ہیجان کی ایک خاص حالت کا نام ہے، اس کے اسباب میکانکی یا کیمیاوی؛

یہ بھی نہیں معلوم،

بعض اوقات یہ اسباب خالص عقلی بھی ہوتے ہیں جیسا کہ استہوا (حیرانی تحیّر) کی حالت میں ہوتا ہے، کیونکہ جو اعصاب اس اثر کو جلد کی سطح سے عصبی مراکز کی طرف منتقل کرتے ہیں، وہ کبھی کبھی الٹی راہ چلنے لگتے ہیں اور اس اثر کو ان مراکز سے جلد کی طرف لے جاتے ہیں،

یہ ہے وہ بات جو ہمیں تکلیف یا اذیت کے متعلق معلوم ہے،!!

برداشت کی طاقت

اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ انسان میں اس کے برداشت کی طاقت، ماحول، نسل، پیشہ، عمر اور جنس کے لحاظ سے مختلف قسم کی ہوتی ہے، مثلاً ہندوؤں میں بعض قبائل ایسے ہیں، کہ ان کے پاؤں میں شیشہ چبھ جائے تو وہ محسوس نہیں کرتے، یا جو لوگ عقلی اعمال انجام دیتے رہتے ہیں وہ ہاتھ سے کام کرنے والوں کے مقابلہ میں تکلیف سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، شہری آدمیوں کو کسانوں سے، جوانوں کو بوڑھوں سے، مرد کو عورت سے زیادہ تکلیف کا احساس ہوتا ہے،

ایک مرتبہ پھر یہ چیز ذہن نشین کر لیجیے کہ انسان میں درد، تکلیف اور اذیت کے برداشت کرنے کی طاقت

(۱) ماحول

(۲) نسل

(۳) پیشہ

(۴) غم
(۵) جنس

کے لحاظ سے مختلف قسم کی ہوتی ہے ، اور یہ اختلاف اٹل اور ناگزیر ہے ۔ اسے کسی طرح بھی دور نہیں کیا جا سکتا ، نہ کسی حالت میں اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے ۔

ایک سوال !

اس موقع پر ہمیں ایک سوال کا حق پہنچتا ہے ۔

" آخر تکلیف کی غایت کیا ہے ؟ "

کیا واقعی انسان دکھ جھیل کر اور تکلیف اٹھا کر کوئی صحیح قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے ؟ کیا درحقیقت یہ ایسی چیز ہے کہ ہم اسے قابل ترغیب و تحسین قرار دیں ؟ یا یہ ایسی لعنت ہے ، جس میں ضرر کے سوا کوئی پہلو نہیں ، جرمنی کے مشہور فلسفی شوپن ہارنے کا قول تھا ،

" محبت ایک جرم ہے ، کیونکہ اس کے زندگی کو دوام بخشنے کے باعث تکلیف اور درد کو بھی ایک طرح سے خلعت دوام مل جاتا ہے ——————— ! "

دین اور طب !

ہم پہلے کہیں اس امر پر نظر ڈال چکے ہیں کہ دین اور فلسفہ دونوں تکلیف

کے فائدے اور ثواب کا اعتراف کرتے ہیں، طب بھی انہی کے نقش قدم پر چلتی رہی، قدما کے نزدیک صحت کے محافظ کا دوسرا نام تکلیف تھا، ان کے نقطۂ نظر کے مطابق محافظ صحت 'سگ' کا دوسرا نام اذیت تھا، وہ کہتے تھے جب یہ کتا بھونکتا ہے، تو جسم خائف ہو جاتا ہے، اور خطرہ سے متنبہ ہو جاتا ہے بعض کا یہ خیال تھا کہ تکلیف سے مرض کی تشخیص میں بہت مدد ملتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد انھیں نے محسوس کیا کہ یہ محافظ صحت سگ نافرجام اکثر دھوکا دیا کرتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ تکلیف مقام مرض سے دور جگہ پر محسوس ہوتی ہے، مثلاً احساس درد داہنے شانے میں ہے اور جگر ماؤف ہے، یا دونوں گردوں میں تکلیف محسوس ہو رہی ہے اور اصل مرض رحم میں ہے، اسی طرح پھیپھڑا اپنی ترکیب کی لطافت اور تیزی کے ساتھ تباہ ہونے میں مشہور ہے۔ یہ ہر احساس سے خالی ہوتا ہے، اس کے علاوہ تکلیف کی شدت حالت کی خطرناکی سے کوئی نسبت نہیں رکھتی، جیسا کہ ولادت میں ہوتا ہے جس میں تکلیف کی شدت بعید ترین حد پر محسوس ہوتی ہے، اور وہاں یعنی درد کی جگہ کوئی خطرہ نہیں ہوتا، اگر تکلیف سے طبیعت کا مقصود ڈرانا ہوتا تو ہم اس موقع پر طبیعت کی نسبت یہ حکم لگاتے کہ وہ شاید نوع کا بقا نہیں چاہتی،

صحت کا محافظ!

صحت کا یہ محافظ کتا، کبھی کبھی اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی بھی کر جاتا ہے، بالکل نہیں بھونکتا اور نہ ایسے موقع پر ڈراتا اور متنبہ کرتا ہے، جب کہ

متنبہ کرنا ضروری ہوتا ہے ، جیسا کہ سرطان کے بعض حوادث میں اکثر ہوتا ہے وہ سرطان کے لیے کوئی تنبیہ نہیں دیتا ، صرف اس وقت مرض کا پتہ چلتا ہے جب مریض سمیت سے بھرپور ہو جاتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بجلی ، شعاع اور سرجن کا نشتر سب ہی بیکار ثابت ہوتے ہیں ، کسی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا مرض کا استیصال نہیں ہوتا ، اور بالآخر مریض سسک سسک کر اس جہان فانی سے رخصت ہو جاتا ہے ،

تکلیف کا فائدہ ؟

ان حالات و واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تکلیف سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا ، نہ مرض کی تشخیص میں اس سے کوئی مدد ملتی ہے ، کیونکہ تکلیف ، ضربات قلب ، کیمیا ، تنفس اور غدودوں کے افراز میں خلل پیدا کر دیتی ہے ، اس سے کوئی فائدہ قطعاً نہیں ہوتا ، بلکہ تمام تر نقصان ، اور ضرر ہی ہوتا ، لہٰذا اس سے نجات دلانے کے وسائل اور ذرائع تلاش کرنا ، طب کا سب سے بڑا فرض ہے ، اور اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے ،

ایک اور موضوع !

اسی سلسلہ میں ایک اور موضوع بحث بھی پیدا ہو گیا ——— ——— یہ کہ جس مریض کے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو ، کیا اسے ہلاک کر

دینا چاہیئے ؟ ایسے قابل رحم مریض کو قتل کر ڈالنے اور ہلاک کر دینے کے لیے خواہ
جام زہر کا انتخاب کیا جائے ، یا کسی مہلک انجکشن کے عذاب سے نجات دلائی جائے؟
اسی سلسلہ میں ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہوتا ہے ——————— یہ کہ
آیا طبیب کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی مریض کو خواہ اس کی حالت کتنی ہی یاس انگیز
ہو ہلاک کر دے ؟ ——————— یہ وہ سوال ہے ، جس نے سائنس ،
فلسفہ اور ادب کے اکابر کو اپنی جانب متوجہ کر لیا ، ان میں سے بعض اس کے جواز
کا رجحان رکھتے ہیں اور بعض اس بات کو دینی و دنیوی قوانین اور اصول کے خلاف
سمجھتے ہیں ، اطبا کی بڑی اکثریت بقراط کے عہد کا پاس کرتی ہے ، اس عہد کے
مطابق مار ڈالنا ایک جرم ہے ، اور کسی طبیب کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس جرم
کا ارتکاب کرے ، یا اس میں کسی حیثیت اور درجہ میں بھی ملوث ہو ،

نپولین کا لشکر !

جب عکہ کی فصیل کے نیچے نپولین کا لشکر گراں میں طاعون پھیلا تو اس نے
ڈاکٹر ڈی جینٹ سے پوچھا ،

" کیا ان مریضوں کا عذاب کم کیا جا سکتا ہے ؟ "

مطلب یہ تھا کہ کیا ان کو ہلاک کر کے مرض کی تکلیف سے نجات دلائی جا
سکتی ہے ؟ نپولین کے اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر نے کہا ،

" زندگی کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے ؟ "

یعنی ایک ڈاکٹر کا کام یہ ہے کہ وہ مریض کو موت کے پنجہ سے چھڑانے کی

کوشش کرے، اسے تندرست کرنے میں ذہن و دماغ کی ہر صلاحیت اور قوت صرف کر دے، یہ نہیں ہے کہ خود ہی اس کی جان کا لاگی بن جائے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دے، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے علم طب خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے اور خواہ کتنی ہی وسعت کیوں نہ اختیار کر لے، غیب کے حال سے واقف نہیں ہو سکتا جب تک مریض میں رمق برابر جان باقی ہے طبیب پر واجب ہے کہ نہ اسے مایوس کرے نہ خود مایوس ہو، بلکہ جب تک مریض سانس لیتا رہے طبیب کو صرف ایک ہی امر پر اپنی توجہ مبذول رکھنی چاہیے، وہ یہ کہ کس طرح مریض کی جان بچائی جائے؛ کیونکہ اسے موت کے پنجہ سے چھڑایا جائے؛

ایک ڈاکٹر کی کہانی!

فرانس کے اخبارات نے ایک طبیب کی کہانی بیان کی ہے، واقعہ یہ ہوا کہ طبیب کا لڑکا خناق کے مرض میں گرفتار ہو گیا، اور خناق کا شمار اس زمانے کے مہلک امراض میں ہوتا تھا، ہزاروں لاکھوں بچے ہر سال اس کی بھینٹ چڑھ جاتے تھے،

طبیب نے جب اپنے لڑکے کو تقریباً نزع کے عالم میں دیکھا، تو اس کا محبت بھرا دل تڑپ اٹھا، اس سے اور تو کچھ نہ ہو سکا، اس نے بڑی مقدار میں مارفیا (افیون) کا انجکشن دے دیا، تاکہ لڑکا اس عذاب سے کسی طرح رہائی حاصل کر لے، مگر اسے کیا خبر تھی کہ عالم غیب نے اس کی ندامت کا سامان کر رکھا تھا، دوسرے دن جب وہ اپنے لڑکے کے جنازے کے ساتھ گورستان

کی طرف جا رہا تھا، دنیا کا چہرہ ایک نئی ایجاد سے ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا
یہ ایجاد کیا تھی؟ ——— یہ تھی ڈاکٹر روکا تیار کیا ہوا سیرم
جو خناق کے لیے تریاق اور اکسیر ثابت ہوا،

خلاصۂ مباحث!

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ: ———

آج ساری دنیا عقدرات کے ذریعہ تکلیف کو تسکین دینے پر متفق ہے،
اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علم تشریح نے آنکھوں کو اس کا موقع دیا ہے،
کہ وہ جسم کو پھاڑ کر اس کے اندر کی حالت دیکھ سکیں۔ لیکن اگر تخدیر کی ایجاد
عالم وجود میں نہ آئی ہوتی تو جسم کو چیرنے کے لیے دیکھ بھال کرنے کے لیے
نہ کوئی شخص آمادہ ہوتا، نہ اس کا امکان ہی ہوتا، نہ اس بات کا کوئی امکان
باقی رہ جاتا کہ علم منافع الاعضا پر کتابیں لکھی جاتیں، ریسرچ کی جاتی، تحقیقی
مقالے مرتب اور مکمل کیے جاتے، نہ محققین اس قابل ہوتے کہ محافظ حیات
اور شفا بخش سیرم کے استخراج کے لیے لاکھوں چوہوں، خرگوشوں، اور
کتوں وغیرہ کو ہلاک انجکشن دیتے، اور اس کے نتائج دیکھ کر اپنی تحقیقات
کا سلسلہ جاری رکھتے، اور نئی نئی ایجادات سے دنیا کا دامن مالا مال کرتے،

خدا کی نعمت!

ان وجوہ سے تخدیر انسانیت پر خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے

اور یہ آئندہ زمانے میں طب کے مختلف شعبوں —————— فعلیات، حیاتیات، جرثومیات، اور کیمیا میں ان کے تجربات اور معلومات کی وسعت میں انسانیت کا ہاتھ بٹائے گی،

تخدیر کا اکتشاف کرنے والے پر اللہ کا سلام ہو، خواہ اس کی ایجاد میں سبقت کا سہرا مورٹن کے سر ہو یا لانگ کے، یہ فخر اختراع خواہ ولس کو ملا ہو، یا سمسن کو، یا اسٹورزر یا کسی دوسرے شخص کو —————— یہ کام جس کا بھی ہو، کسی خاص دن یا زمانے، کسی خاص ملک، یا قوم ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام اقوام و ممالک کے لیے —————— آج کل اور ہر زمانے میں ابد الآباد تک ایک زبردست کامیابی اور فتح شمار کیا جائے گا!

ختم شد